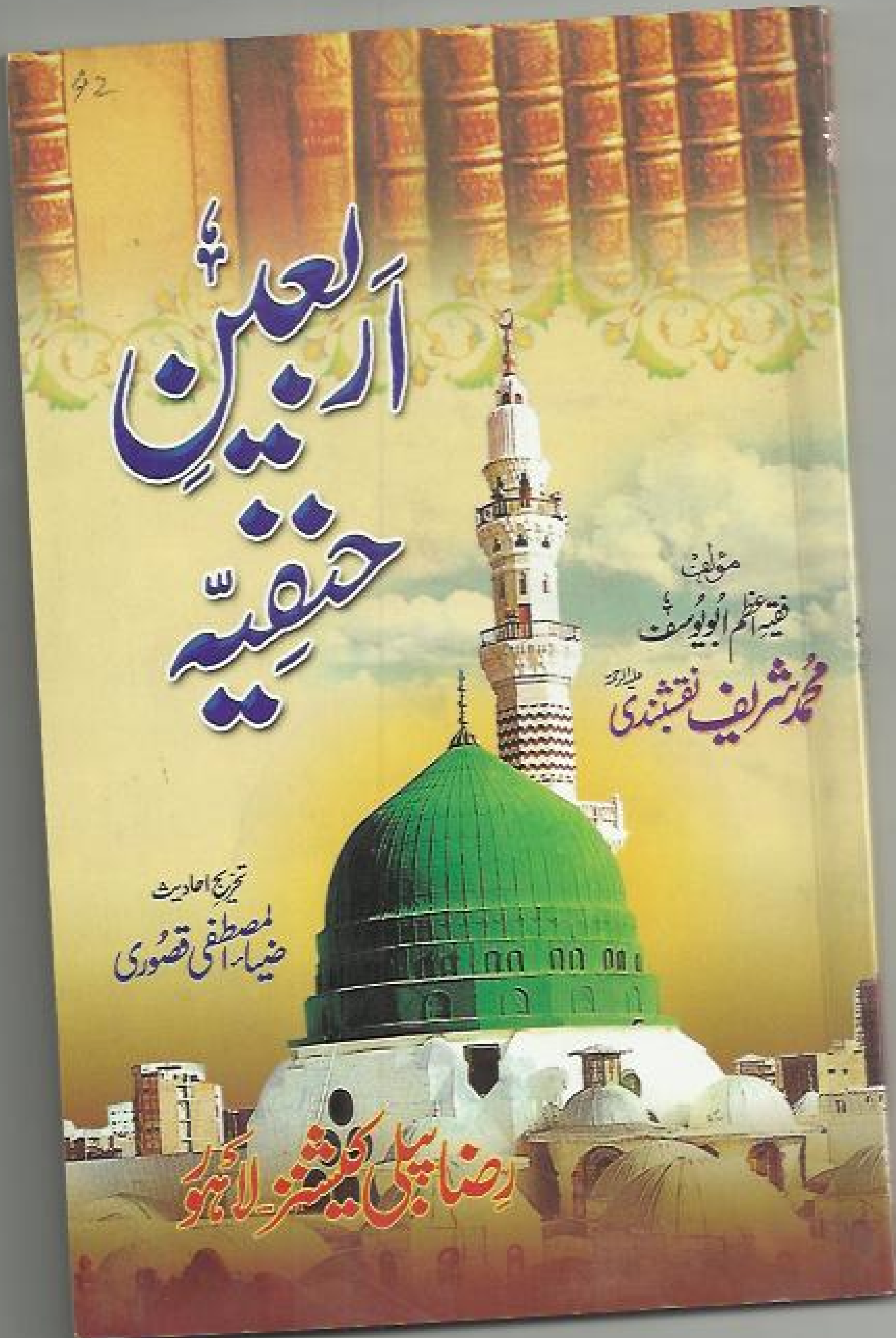

اربعینِ حنفیہ
مؤلف
فقیہ اعظم ابو یوسف
محمد شریف نقشبندی علیہ الرحمۃ
تخریج احادیث
ضیاء المصطفیٰ قصوری
رضا پبلی کیشنز لاہور

الحمد للہ کہ رسالہ

اربعینِ حنفیہ

جس میں چالیس حدیثیں دربارۂ نماز معہ حوالہ لکھی گئی ہیں اور نماز کے متعلق اختلافی مسائل میں نہایت مبسوط بحث کی گئی ہے اور حنفی مذہب کی تقویت دلائل ساطعہ و براہین قاطعہ سے بیان کی گئی ہے۔ ہر شخص کو لازم ہے کہ اس کتاب کو اپنے زیر مطالعہ رکھے۔

مؤلفہ

فقیر ابو یوسف محمد شریف نقشبندی رحمہ اللہ تعالیٰ

تخریج احادیث

ضیاء المصطفیٰ قصوری

رضا پبلی کیشنز ○ لاہور

مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام

بیاد

امام اہل سنت مجدد دین وملت، نائب غوث اعظم

امام احمد رضا خان قادری بریلوی قدس سرہ العزیز

کتاب---------اربعین حنفیہ

مؤلف---------ابو یوسف مولانا محمد شریف نقشبندی

تخریج---------ضیاء المصطفیٰ قصوری

صفحات---------96

تعداد---------گیارہ سو

اہتمام---------صاحبزادہ میاں زبیر احمد علوی گنج بخشی قادری ضیائی

اشاعت دوم---------محرم الحرام ۱۴۲۹ھ، جنوری 2008ء

ناشر---------رضا پبلی کیشنز۔ لاہور

ہدیہ---------

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

اما بعد فقیر ابو یوسف محمد شریف کوٹلوی برادران اسلام کی خدمت میں عرض کرتا ہے کہ اس زمانہ میں جبکہ لوگ دین میں نہایت سست ہو گئے ہیں۔ نہ اسلام کی خبر نہ مذہب کا کچھ پتا۔ مخالفین اسلام دن بدن ترقی پر ہیں اور اسلام میں طرح طرح کے فساد برپا ہیں۔ شیعہ جو کہ اپنے مذہب کو چھپانا ثواب سمجھتے تھے آج علانیہ اپنے مذہب کی اشاعت میں سرگرم ہیں۔ اخباروں میں رسالوں میں اہل سنت کی تردید کر رہے ہیں۔ اسی طرح مرزائی کہ ان کا بچہ بچہ مناظر ہے کئی اخبار ہیں، ٹریکٹ مذہب کی اشاعت میں نکال رہے ہیں۔ اور وہابیوں کی تبلیغ تو یہاں تک اثر کر چکی ہے کہ لوگوں کو ان کے خروج کا احساس ہی نہیں رہا۔ گاؤں گاؤں میں ان کی انجمنیں ہیں۔ وہ سب ایک کانفرنس کے ماتحت کام کر رہی ہیں۔ ان کے تنخواہی مبلغ شہر بہ شہر، دیہ بدیہ پھرتے ہیں۔ اور مذہب کی تبلیغ میں سرتوڑ کوشش کر رہے ہیں۔ لسانهم أحلى من السكر کا مصداق بن کر میٹھی میٹھی باتوں سے بھولے بھالے احناف کو دام تزویر میں پھاند لیتے ہیں۔ امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کی بظاہر تعریف کرتے ہیں مگر حقیقت میں عوام کو مغالطہ میں ڈالتے ہیں۔ کہ ہم حنفی ہیں کہ ان کی ظاہری حالت دیکھ کر ان پر فریفتہ ہو جاتے ہیں۔ کوئی تو رشتہ داری کے لحاظ سے، کوئی مالداری کے پاس سے، کوئی روزگار کی ضرورت کے لیے، کوئی تنخواہ کی ترقی کے لئے، کوئی محض جہالت سے وہابیت اختیار کر لیتا ہے۔ اسی طرح نیچری خیالات بھی بڑھ رہے ہیں۔ حدیث کے منکر بھی زوروں میں ہیں۔ رسائل نکالتے ہیں، مناظروں کا چیلنج دیتے ہیں۔ الغرض سب مذاہب اپنی اپنی اصلاح و ترقی میں کوشاں ہیں۔ اگر سست ہیں تو حضرات احناف

چناں خفتہ اند کہ گوئی مردہ اند۔

گروہ حنفیہ کثرھم اللہ کے ہر طبقے میں مذہب کی طرف سے لاپروائی

ہوگئی ہے۔ حضرات علماء جن کا وجود ہمارے لئے باعث فخر ہے بڑے بڑے اکابر بفضلہ تعالیٰ زندہ موجود ہیں جن کے مقابلہ کی کسی غیر مذہب کو جرأت نہیں ہو سکتی۔ مگر ان کے کان میں جوں تک نہیں رینگتی۔ وہ دیکھتے ہیں کہ مذہب پر چاروں طرف سے حملے ہو رہے ہیں۔ کوئی امام اعظم علیہ الرحمۃ کو کافر زندیق تک لکھ دیتا ہے۔ (۱) کوئی ہدایہ شریف پر سینکڑوں اعتراض کرتا ہے۔ کوئی دُرِّ مختار کے پیچھے پڑا ہوا ہے۔ کوئی تقلید کو حرام، شرک، بدعت قرار دیتا ہے۔ مگر وہ توجہ نہیں کرتے۔ نہ اخباروں میں مضمون دیتے ہیں، نہ کوئی ٹریکٹ شائع کرتے ہیں، نہ کوئی رسالہ ان کے جواب میں لکھتے ہیں۔

ادھر اُمراء کا یہ حال ہے کہ رات دن دنیا کے نشہ میں مست نہ نماز سے کام، نہ روزہ کا پتا، نہ حج نہ زکوٰۃ۔ صبح و شام نواہی میں مصروف۔ خبر ہی نہیں کہ اسلام کیا چیز ہے؟ بیٹے کی شادی رچائیں گے تو آتش بازی، ناچ، باجا وغیرہ واہیات اور فضول رسموں میں گھر بار لٹا دیں گے۔ مگر اشاعت اسلام و اشاعت مذہب میں ایک پیسہ تک خرچ کرنا فضول سمجھیں گے۔ اگر کوئی اہل علم اشاعت مذہب کیلئے کوئی رسالہ لکھے تو یہ متمول ایک نسخہ بھی خریدنے سے دریغ کریں گے۔ بخلاف اس کے دوسرے مذاہب کے امراء اپنے خرچ سے چھپوا کر مفت تقسیم کراتے ہیں۔

رہے حضرات صوفیائے کرام جن کے اشارہ سے سینکڑوں مرحلے طے ہو جاتے ہیں۔ مگر یہ حضرات بھی ذکر و مراقبہ میں ایسے مستغرق ہیں کہ انہیں خبر ہی نہیں کہ دنیا میں کیا ہو رہا ہے۔ ایسے وقت میں جبکہ علماء کی سخت ضرورت ہے، ان کا جمود کیا رنگ لائے گا؟ اگر یہ حضرات اس طرف توجہ فرماتے تو ہر سال علماء کی ایک جماعت تیار کرا سکتے تھے۔ مگر افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ انہوں نے اس طرف توجہ ہی نہیں کی۔ ایک حضرت اقدس قبلہ علی پوری مدّ ظلہ ہیں جنہوں نے مدرسہ نقشبندیہ جاری کیا ہوا ہے مگر افسوس کہ وہ مدرسہ بھی ہماری امیدوں کے مطابق ترقی نہیں کر سکا۔

۱۔ دیکھو الجرح علی ابی حنیفۃ امام محمدی مؤلفہ محمد دہلوی ۱۲ منہ

کتب حدیث (۱) کا ترجمہ آج تک کسی حنفی نے نہیں کیا۔ صحاح ستہ کا ترجمہ اردو میں وہابیوں نے کیا ہے جس میں جابجا انہوں نے حنفی مذہب کی تردید کی ہے۔ مؤطا امام محمد و آثار امام محمد کا ترجمہ بھی وہابیوں نے کیا ہے۔ اگر کوئی اہل علم شاذ و نادر اس طرف توجہ بھی کرے پھر مصارف طبع کہاں سے لائے؟ غرباء کے پاس پیسہ نہیں۔ امراء کو مذہب کی ضرورت نہیں۔ اگر کوئی صاحب اپنی ضروریات سے بچا کر کوئی کتاب یا رسالہ طبع کرائے تو کوئی اس کا خریدار نہیں بنتا۔ پھر یا تو سب کتابیں جمع پڑی رہیں یا مفت تقسیم کرے۔ اگر مفت تقسیم کرے تو دوسری کتاب کے طبع کیلئے مصارف کہاں سے لائے؟ غرض بڑی مشکل ہے۔

بہر حال میں نے ایک حدیث میں دیکھا کہ سرور عالم ﷺ نے فرمایا جو شخص میری امت میں سے چالیس حدیثیں جو کہ دین کے بارہ میں ہوں یاد کرے تو اللہ تعالیٰ اُس کو فقہاء و علماء کے زمرہ میں اٹھائے گا۔ ایک روایت میں ہے کہ اللہ اس کو فقیہ عالم مبعوث کرے گا۔ ایک روایت میں ہے کہ میں اس کے لئے شافع و شہید ہوں گا۔ ایک روایت میں ہے کہ اس کو حکم ہوگا کہ جنت کے جس دروازہ کے راستہ تو چاہے داخل ہو (اربعین نوویہ) تو میں نے بھی اسی امید پر چالیس حدیثیں لکھنی شروع کیں اور ارادہ کیا کہ اخبار الفقیہ (امرتسر) میں شائع کی جائیں۔ پھر اگر کسی عالی ہمت نے توجہ کی تو علیحدہ بصورت رسالہ بھی طبع کی جائیں گی۔ امید ہے کہ حضرات احناف ان احادیث کو حفظ کر کے ثواب حاصل کریں گے اور اپنے مذہب کو بھی غیر کی دستبرد سے بچائیں گے۔ و ھا انا اشرع فی المقصود بتوفیق اللہ الودود۔

فقیر ابو یوسف محمد شریف عفا اللہ عنہ

۱۔ یہ کتاب تقریباً ستر سال پہلے شائع ہوئی تھی، اب الحمد للہ علماء اہل سنت نے تقریباً احادیث کی بیشتر کتب کے اردو تراجم و شروح کر دیئے ہیں جو شائع بھی ہو چکے ہیں۔ (ناشر)

بسم الله الرحمن الرحيم

حدیث ۱

عن عمر بن الخطاب ﷺ قال:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِنَّمَا الأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَإِنَّمَا لِكُلِّ إِمْرِءٍ مَانَوٰى فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِه فَهِجْرَتُهُ إِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِه وَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ لِدُنْيَا يُصِيْبُهَا أَوْ إِمْرَءَةٍ يَتَزَوَّجُهَا فَهِجْرَتُهُ إِلَى مَا هَاجَرَ إِلَيْهِ.

(بخاری:١، مسلم: ٤٨٨٣، أبوداؤد: ٤: ٢٦)

''حضرت عمر بن الخطاب ﷺ سے روایت ہے کہا انہوں نے فرمایا رسول کریم ﷺ نے سوائے اس کے نہیں اعمال (کا اعتبار اور خدا کی درگاہ میں قبولیت) نیتوں کے ساتھ ہے۔ یعنی کوئی عمل بدون نیت معتبر اور مقبول نہیں۔ اور کسی آدمی کو اس کے کام میں حصہ یا ثواب نہیں مگر وہی جو اس نے نیت کی پس جس شخص کی ہجرت محض خدا اور اس کے رسول ﷺ کیلئے ہو (یعنی اس کی نیت میں طلب رضا و امتثال امر شارع ہو) تو اس کی ہجرت خدا اور اس کے رسول ﷺ کے لئے ہے۔ (یعنی مقبول ہے اور اس پر ثواب عظیم مترتب ہوتا ہے) اور جس کی ہجرت محض حصول دنیا کے لئے ہو یا کسی عورت سے نکاح کرنے کے لئے ہجرت کرتا ہو (خدا اور رسول ﷺ کی رضامندی کیلئے نہ ہو) تو اس کی ہجرت اسی چیز کی طرف ہے جس کی طرف اس نے ہجرت کی یعنی حصول دنیا یا نکاح۔ اس کو بخاری و مسلم نے روایت کیا''۔

اس حدیث میں بڑا علم ہے۔ امام شافعی و احمد رحمهما الله نے اس حدیث کو ثلث اسلام یا ثلث علم فرمایا ہے۔ بیہقی نے اس کی توجیہ یہ فرمائی ہے کہ علم یا دل سے ہوتا ہے یا زبان سے یا بقیہ اعضاء سے اور نیت عمل دل کا ہے۔ اس لئے یہ حدیث علم کا تیسرا حصہ ہوئی۔ (مرقاۃ)

اکثر مصنفین اصلاح نیت کے لئے اپنی کتابوں کو اسی حدیث سے شروع کیا کرتے تھے۔ اس حدیث میں جناب رسول کریم ﷺ نے اخلاص کی ہدایت فرمائی ہے۔ اور ہر عمل کے ثواب کو نیت پر موقوف فرمایا ہے۔ اگر اعمال میں نیت نیک ہے تو ثواب ہے ورنہ نہیں۔ ہجرت ایک عمل ہے اگر اس میں حق سبحانہ وتعالیٰ کی رضا اور امتثال امر مقصود ہے تو موجب برکات ہے۔ اگر یہ نہیں تو کچھ نہیں۔ اسی طرح انسان

جو عمل کرتا ہے اگر اس میں رضائے حق مقصود ہے تو باعث اجر ہے ورنہ نہیں۔ اب اس حدیث سے جو فوائد مستنبط ہو سکتے ہیں وہ سنو اور خوب یاد رکھو۔

ا۔ ایک شخص اپنے قریبی کو کچھ خیرات دیتا ہے۔ اگر صرف اس کی غریبی کا خیال کر کے دیتا ہے۔ صلہ رحم کی نیت نہیں تو صدقہ کا ثواب پائے گا۔ لیکن صلہ رحم نہ ہو گا۔ اگر محض صلہ رحم کے لئے دیتا ہے تو صلہ رحم کا ثواب ہوگا۔ صدقہ کا ثواب نہ ہوگا۔ اگر دونوں نیت کرے تو دونوں ثواب پائے گا۔ معلوم ہوا کہ ایک کام میں متعدد نیتیں کرنے سے ہر ایک نیت پر ثواب ملتا ہے۔

۲۔ مثلاً مسجد میں بیٹھنا ایک عمل ہے اگر اس میں بہ نیت اعتکاف بیٹھے تو اعتکاف کا ثواب پائے گا۔ اگر نیت اعتکاف کیساتھ یہ نیت بھی ہو کہ جماعت کا انتظار ہے تو بحکم حدیث (جماعت کا منتظر نماز میں ہے) اس کو نماز کا ثواب بھی ملے گا۔ پھر اسکے ساتھ اگر یہ نیت کرے کہ آنکھ کان اور تمام اعضاء کی جملہ منہیات سے حفاظت ہو گی تو یہ ثواب بھی حاصل ہوگا۔ پھر اس پر یہ نیت بھی کرے کہ صلوٰۃ وسلام آنحضرت ﷺ پر بیٹھ کر پڑھوں گا تو اس کا ثواب بھی پائے گا۔ اگر یہ نیت بھی کرے کہ حج وعمرہ کا ثواب ملے (جیسے کہ حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص وضو کر کے مسجد میں جاوے اس کو حج وعمرہ کا ثواب ملتا ہے) تو اس کو یہ ثواب بھی ملے گا۔ پھر اس پر یہ نیت بھی کرے کہ مسجد میں علم کا افادہ یا استفادہ ہوگا یا امر معروف اور نہی منکر حاصل ہوگا تو اس ثواب کو بھی ضرور حاصل کرے گا۔ پھر اگر یہ نیت بھی کرے کہ کوئی دینی بھائی مسجد میں ملے گا اس کی زیارت سے مستفیض ہوں گا تو یہ اور اجر ہوگا۔ اسی طرح اگر نیت تفکر و مراقبہ کی کرے کہ مسجد میں تنہا ہو کر دل کی جمعیت کے ساتھ مراقبہ کروں گا تو یہ اجر بھی پائے گا۔ الغرض جتنی نیتیں کرے گا سب کا ثواب پائے گا کیونکہ حدیث شریف کے الفاظ انما لامرء ما نوی کا یہی مطلب ہے کہ جو نیت کرے گا وہ پائے گا۔

۳۔ اسی طرح اگر کسی میت کے ساتھ کوئی شخص نقدی یا غلہ قبر پر لے جائے اور اس کی نیت یہ ہو کہ قبر پر مساکین جمع مل سکتے ہیں۔ نیز عام مساکین جنازے میں شامل ہو جاتے ہیں۔ تو کوئی حرج نہیں ہے۔ میت کیلئے جو کچھ دیا جائے گا حق سبحانہ

وتعالیٰ اس کا ثواب اس میت کو ضرور پہنچائے گا۔ ہاں اگر اس کی نیت درست نہیں بلکہ محض دکھاوا مقصود ہے تو خواہ گھر کی کوٹھڑی میں بیٹھ کر خیرات کرے گا اس کا کچھ ثواب نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ نیت صحیح نہیں۔ معلوم ہوا کہ اعمال کا دارومدار نیت پر ہے۔ اگر نیت خدا کے لئے اور ایصال ثواب ہے تو قبر پر لے جانے سے کوئی حرج واقعہ نہیں ہوتا اور اگر نیت میں ریا ہے تو گھر میں بھی کچھ نہیں۔ لہذا مسلمانوں کو لازم ہے کہ ایسے امور میں نیت صحیح ہو۔ نہ یہ کہ ایسے کام ہی چھوڑ دیں۔

۴۔ اسی طرح میت کے بعد تیسرے یا ساتویں یا دسویں یا چالیسویں دن کھانا پکا کر مساکین کو کھلایا جائے۔ اس میں بھی اگر وارثوں کی نیت یہ ہے کہ ان دنوں میں مساکین جمع ہو جاتے ہیں یا دوسرے خویش واقارب آ جاتے ہیں یا معین کرنے کے سبب کچھ نہ کچھ ادا ہو جاتا ہے نہ معین کرنے سے رہ جاتا ہے تو معین کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اگر نیت ہو کہ ان اوقات مخصوصہ میں کھانا کھلانا تو پہنچتا ہے آگے پیچھے کا ثواب نہیں پہنچتا۔ تو یہ نیت غلط ہے۔ اس کی اصلاح کر دینی چاہئے کہ میت کو جس روز کچھ ثواب پہنچانا چاہے پہنچتا ہے۔ کھانا ہو یا نقدی یا قرأت قرآن تخصیص ایام کوئی ضروری نہیں۔ اگر کوئی مصلحت ہو تو حرج بھی نہیں۔ معلوم ہوا کہ نیت پر اعمال کا مدار ہے۔ نیت ایصال ثواب ہے تو جس روز دے گا ثواب پہنچے گا۔ تیسرا دن ہو یا ساتواں یا دسواں۔ اگر نیت ریا ہے تو سب کچھ بیکار ہے۔

۵۔ اسی طرح اگر میت کے بعد لوگ بیٹھتے ہیں اور کلمہ پڑھتے ہیں۔ ان کی نیت یہ ہوتی ہے کہ خالی چپ چاپ بیٹھنے سے بجز حقہ کشی اور واہیات فضول باتوں کے اور کوئی بات نہیں ہوتی۔ اگر کلمہ طیبہ جس کی نسبت حدیث شریف میں افضل الذکر آیا ہے پڑھتے رہیں تو یقیناً موجب برکت ہے۔ پھر اگر بعض روایات کے مطابق ستر ہزار بار ہو جائے اور میت کو بخشا جائے تو امید مغفرت ہے۔ تو کیا وجہ ہے کہ بموجب حدیث انما لامرئ ما نوی کلمہ پڑھنے والوں کو ان کی نیت کے مطابق ثواب نہ ملے۔ جب حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ اعمال کا مدار نیت پر ہے اور ہر شخص کو وہی ملے گا جو اس نے نیت کی۔ تو ضرور اجر ملے گا۔ پھر وہ میت کو بخشیں گے تو ضرور میت کو بھی

پہنچے گا۔

۶۔اسی طرح مجلس میلاد کا کرنا اور جلوس نکالنا ہے۔ تا کہ رسول کریم ﷺ کا شان ظاہر ہو اور اسلام کی عزت وعظمت وہیبت مخالفینِ اسلام کے دلوں میں جاگزیں ہو۔ تو اسی حدیث کی رو سے جائز ہے کہ اس کی نیت نیک ہے۔

۷۔اسی طرح ہر وہ کام جس کی ممانعت رسول کریم ﷺ نے نہ فرمائی ہو نیک نیت کے ساتھ جائز اور کارِ ثواب ہے۔

۸۔قرآن شریف جنابت کی حالت میں پڑھنا منع ہے لیکن اگر بہ نیت دعا پڑھے تو درست ہے۔ مثلاً وہ آیات جن میں دعا ہے جنبی کو بہ نیت قرأت قرآن پڑھنا حرام اور بہ نیت دعا جائز۔

۹۔اسی طرح جنازہ میں سورۂ فاتحہ کا پڑھنا امام اور مقتدی دونوں کے لئے بہ نیت قرأت درست نہیں اور بہ نیت دعا درست ہے۔

الحاصل ہر کام میں نیک نیت ہونا چاہئے۔ حضرت مولانا روم نے مثنوی شریف میں ایک حکائت لکھی ہے کہ ایک شخص نے مسجد کے پاس اپنا مکان بنوایا اور مسجد کی طرف ایک دریچہ رکھا۔ اس کے پیر نے پوچھا کہ یہ دریچہ کس لئے رکھا ہے۔ اس نے کہا کہ ہوا کے لئے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تو یہ نیت کرتا کہ یہ دریچہ محض اس لئے رکھا کہ مسجد سے اذان کی آواز آجائے یا جماعت کے کھڑے ہونے کا علم ہو جایا کرے تو ہوا خود بخود آجایا کرتی اور تجھے اس کا ثواب ہوتا۔

۱۰۔اشعۃ اللمعات میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ احادیث میں آیا ہے کہ جب ملائکہ بندوں کے اعمال آسمان پر لے جاتے ہیں اللہ فرماتا ہے أَلْقِ تِلْكَ الصَّحِيفَةَ أَلْقِ تِلْكَ الصَّحِيفَةَ اس صحیفہ کو ڈال دے، اس صحیفہ کو ڈال دے۔ وہ فرشتہ عرض کرتا ہے کہ خدایا تیرے اس بندے نے نیک باتیں کیں نیک عمل کئے ہم نے سنا دیکھا اس کے نیکیوں کے دفتر میں لکھا اب اسے کس طرح ڈال دیں۔ حکم ہوگا کہ لم يرد به وجهي کہ اس بندہ نے اس عمل کے ساتھ میری رضا کا ارادہ نہیں کیا۔ یعنی اس کی نیت اس عمل میں میری رضا نہ تھی۔ اس لئے میرے حضور میں

مقبول نہیں۔ اسی طرح ایک دوسرے فرشتے کو حکم ہوگا اکتب لفلان كذا وكذا فلاں بندہ کے اعمال نامہ میں فلاں فلاں نیک عمل لکھ دے۔ فرشتہ عرض کرے گا کہ خدایا اس نے تو یہ کام کیا نہیں تو کیسے لکھ دوں۔ حکم ہوگا کہ اس نے نیت کی تھی۔ اس کا ارادہ کرنے کا تھا مگر اس سے نہ ہو سکا۔ سبحان اللہ دیکھئے نیت نیک کرنے سے بغیر کئے اعمال کا ثواب مل گیا اور بری نیت سے کئے ہوئے اعمال ضائع ہوئے۔ اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو اخلاص کی توفیق دے۔

☆☆☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حدیث۲

عن معاذ بن جبل أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ لَمَّا بَعَثَهُ إِلَى الْيَمنِ قَالَ كَيْفَ تَقْضِي إِذَا عرض لَكَ قَضَاءٌ؟ قَالَ أَقْضِي بِكتَابِ اللّٰهِ قَالَ فَإِنْ لَّمْ تَجِدْ فِي كِتَابِ اللّٰهِ؟ قَالَ فَبِسُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ فَإِنْ لَّمْ تَجِدْ فِي سُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ أَجْتَهِدُ بِرَأْيِي وَ لَا آلُوْا قَالَ فَضَرَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ صَدْرَهُ قَالَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ وَفَّقَ رَسُوْلَ رَسُوْلِ اللّٰهِ لِمَا يُرْضِى رَسُوْلَ اللّٰهِ.

(رواہ الترمذیؒ: ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، وابوداود: ۳۵۹۳، والدارمی: ۱۷۰)

"معاذ بن جبل ؓ سے روایت ہے کہ جب ان کو رسول اللہ ﷺ نے یمن کی طرف قاضی بنا کر بھیجا تو فرمایا کہ جب کوئی تجھے معاملہ پیش آیا تو کیسے فیصلہ کرے گا۔ معاذ نے عرض کیا کہ میں اللہ کی کتاب کے ساتھ حکم کروں گا۔ آپ نے فرمایا اگر اللہ کی کتاب میں تو اس حکم کو نہ پائے تو پھر کیا کرے گا۔ انہوں نے عرض کی کہ رسول کریم ﷺ کی سنت کے ساتھ فیصلہ کروں گا۔ آپ نے فرمایا اگر تو رسول علیہ السلام کی سنت میں بھی اس حکم کو نہ پائے تو پھر کیا کرے گا؟ انہوں نے عرض کی کہ میں اپنی عقل اور رائے کے ساتھ اجتہاد کروں گا اور طلب ثواب میں کمی نہ کروں گا۔ معاذ کہتے ہیں پھر رسول کریم ﷺ نے میرے سینہ پر ہاتھ مارا اور فرمایا الحمد للہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے قاصد کو اس چیز کی توفیق دی جس کے ساتھ اللہ کا رسول راضی ہے"۔

۱۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ استخراج احکام میں قرآن مقدم ہے پھر حدیث۔

۲۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ قرآن کو کھینچ تان کر حدیث کی تابع نہیں کرنا چاہئے بلکہ حدیث کو قرآن کی تابع کرنا چاہئے۔ چنانچہ مسئلہ فاتحہ خلف الامام میں جو کہ مقلدین اور غیر مقلدین کا متنازعہ فیہ مسئلہ ہے اس میں پہلے قرآن دیکھنا چاہئے۔ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

﴿وَ إِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهُ وَأَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾

کہ جب قرآن پڑھا جائے اس کی طرف کان لگاؤ اور چپ رہو تا کہ تم رحم کئے جاؤ۔ اور حدیث میں آیا ہے اس کی نماز نہیں جو الحمد نہ پڑھے۔ اب ہمیں حدیث کو تابع قرآن سمجھنا چاہئے کہ یہ حدیث امام اور منفرد کے لئے ہے۔ مقتدی کیلئے نہیں۔ اس طرح آیت اور حدیث میں تطبیق بھی ہوگئی اور مطلب بھی صاف ہوگیا۔ لیکن اگر

ہم آیت کو کھینچ تان کر یہ مطلب لیں کہ یہ آیت کافروں کے بارہ میں ہے حالانکہ کسی حدیث میں اس کا نزول کفار کے بارہ میں نہیں آیا۔ یا یہ کہیں کہ قرآن سے مراد آیت میں الحمد کے آگے سورت ہے۔ یا یہ کہیں کہ استماع وانصات کے یہ معنی ہیں کہ اونچی نہ پڑھو وغیرہ وغیرہ۔ تو اس صورت میں قرآن کو حدیث کے تابع کرنا ہے۔ جو حدیث مذکور کے خلاف ہے۔

آمین بالجہر

۳۔ اسی طرح مسئلہ آمین بالجہر میں ہم پہلے قرآن کو دیکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے. اُدْعُوْا رَبَّکُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْیَۃً کہ اپنے رب کو عاجزی سے اور پوشیدہ پکارو۔ اور ظاہر ہے کہ آمین دعا ہے۔ اصل دعا میں اخفا ہے۔ تو اس آیت کو مقدم سمجھ کر اصل آمین میں اخفا سمجھنا چاہئے۔ اور اگر کسی حدیث میں رسول کریم ﷺ کا آمین ذرا آواز کھینچ کر بھی آیا ہو تو اسے تعلیم پر حمل کرنا چاہئے۔ نہ یہ کہ حدیث کو تو چھوڑ دیا جائے اور آیت کا کوئی اور مطلب گھڑا جائے۔

تقلید

۴۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تقلید صحابہ کے زمانہ پائی جاتی تھی بلکہ رسول کریم ﷺ نے تقلید کا ارشاد فرمایا کیونکہ حدیث معاذ ؓ میں جب کسی مسئلہ کا قرآن و حدیث سے فیصلہ نہ معلوم ہو تو معاذ ؓ نے اپنے اجتہاد اور رائے کے ساتھ فیصلہ کرنا کہا اور حضور ﷺ نے پسند فرمایا۔ جس سے معلوم ہوا کہ معاذ اجتہاد سے فیصلہ کرے اور دوسرے مسلمان اس فیصلہ کو تسلیم کریں۔ کیونکہ حضرت معاذ کو حضور ﷺ نے قاضی بنا کر بھیجا۔ تو اگر لوگ ان کے فیصلہ کو قبول نہ کرتے تو وہ قاضی کیسے ہوتے؟ اور کسی کے اجتہاد کو بلا معرفت دلیل قبول کرنا بھی تقلید ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ سرور عالم ﷺ نے حضرت معاذ ؓ کو یہ نہیں فرمایا کہ اگر کوئی مسئلہ قرآن یا حدیث سے نہ

ملے تو مجھ سے دریافت کر لینا، کسی کو بھیج کر مجھ سے فیصلہ دریافت کر لیا کرو۔ بلکہ ان کے اجتہاد کو پسند فرمایا۔ جس سے معلوم ہوا کہ مجتہد اگر قرآن و حدیث میں صریح مسئلہ نہ پائے تو اجتہاد اور قیاس سے جو حکم کرے اس کا حکم ماننا غیر مجتہد پر لازم ہے اور یہی تقلید ہے جو آپ کے زمانہ میں آپ کی اجازت سے لوگ کیا کرتے تھے۔

شیخ عبدالحق اشعۃ اللمعات میں اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں۔ دریں حدیث دلیل است بر شرعیۃ قیاس واجتہاد برخلاف اصحاب ظواہر کہ منکر قیاس اند۔

ایک شبہ: بعض لوگ شبہ کرتے ہیں کہ حضرت معاذ ؓ کی حدیث صحیح نہیں۔ علامہ ابن القیم اعلام الموقعین ص ۳۷ میں اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو سب اہل علم نے نقل کیا ہے اور اس کے ساتھ حجت پکڑی ہے۔ نیز اس کی ایک سند متصل بھی ہے جس کے رجال موثق ہیں۔ پھر بحوالہ خطیب نقل کرتے ہیں:

قال أبو بکر الخطیب و قد قیل إن عبادة بن نسی رواه عن عبدالرحمن بن غنم بن معاذ و هذا إسناد متصل و رجاله معروفون بالثقه. انتهی.



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حدیث ۳

عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيْجٍ قَالَ:
سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ أَسْفِرُوْا بِالْفَجْرِ فَإِنَّهُ أَعْظَمُ لِلْأَجْرِ.

(رواه الترمذي: ۱۵۴ و قال حسن صحيح وأبو داود: ۴۲۴ والدارمي: ۱۲۱۹)

''رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا اس نے کہ سنا میں نے رسول کریم ﷺ کو آپ فرماتے تھے کہ نماز فجر کو اسفار کرو یعنی روشنی میں ادا کرو۔ کیونکہ اس کا روشنی میں ادا کرنا اجر میں بہت بڑا ہے''۔

ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح کہا ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز فجر کو اچھی روشنی میں پڑھنا بہت ثواب ہے۔ اور یہی مذہب امام اعظم رحمہ اللہ کا ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ اشعۃ اللمعات ص ۳۲۰ میں فرماتے ہیں کہ اسفار کی حد ہمارے مذہب کے مشائخ سے اس طرح منقول ہے کہ چالیس آیت یا ساٹھ یا اس سے زیادہ سو آیت تک بطریق ترتیل قرائت پڑھ کر نماز ادا کرے۔ پھر بعد از فراغ نماز اگر بالفرض کوئی سہو اس کی طہارت میں ظاہر ہو یا کسی وجہ سے نماز کو دہرانا پڑے تو طلوع آفتاب سے پہلے پہلے اسی طرح قرائت مسنون کیساتھ اس کا اعادہ ممکن ہو۔ بخاری شریف میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایک روایت آئی ہے جو اس حدیث کی تائید کرتی ہے۔ وہ یہ ہے:

عن عبدالله بن مسعود قَالَ مَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ صَلّٰى صَلٰوةً لِغَيْرِ مِيْقَاتِهَا إِلَّا صَلٰوتَيْنِ جَمَعَ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ بِجَمْعٍ وَ صَلَّى الْفَجْرَ قَبْلَ مِيْقَاتِهَا رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَ مُسْلِمٌ قَبْلَ وَقْتِهَا بِغَلَسٍ.

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو کبھی نہیں دیکھا کہ آپ نے نماز کے غیر وقت میں نماز پڑھی ہو یعنی ہمیشہ حضور ﷺ نماز کو اس کے وقت میں ادا فرمایا کرتے تھے سوائے دو نمازوں کے کہ آپ نے مغرب اور عشاء کو مزدلفہ میں جمع کیا اور فجر کو اس کے وقت سے پہلے پڑھا۔ صحیح مسلم میں قبل وقتہا کے آگے بِغَلَسٍ کا لفظ بھی آیا ہے۔ یعنی نماز فجر کو اس کے وقت سے پہلے غلس میں پڑھا۔ امام نووی رحمہ اللہ اس کی شرح میں فرماتے ہیں کہ وقت سے پہلے تو اجماعا نماز جائز نہیں۔ تو اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے وقت معتاد سے پہلے پڑھی یعنی مزدلفہ میں فجر اندھیرے میں پڑھی۔ اگرچہ بعد طلوع فجر پڑھی لیکن اندھیرے میں فجر پڑھنا چونکہ آپ کی عادت نہ تھی اس لئے اس روز آپ نے نماز فجر روز مرہ کے وقت معتاد سے پہلے پڑھی۔ بخاری و مسلم کی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ روز مرہ آپ کی عادت مبارکہ فجر نماز میں اسفار کرنا تھا۔ بعض نے اسفار کا معنی ظہور فجر کیا ہے اور یہ باطل ہے اسلئے کہ قبل ظہور فجر تو نماز فجر جائز ہی نہیں۔ تو ثابت ہوا کہ اسفار سے مراد تنویر ہے یعنی خوب روشنی کرنا اور غلس کے بعد ہے یعنی زوال ظلمت کے بعد اور حضور ﷺ کا فَإِنَّهُ أَعْظَمُ لِلْأَجْرِ فرمانا اس بات پر دلیل ہے کہ نماز غلس میں بھی ہو جاتی ہے اور اس کا اجر ہے مگر اسفار میں زیادہ اجر ہے۔ تو اگر اسفار سے مراد وضوح فجر ہو تو اس سے پہلے تو نماز ہی جائز نہیں۔ پھر وضوح فجر میں زیادہ اجر کیسے ہوا؟

اس مضمون کی بہت حدیثیں آئی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ فجر کی نماز اچھی روشنی میں پڑھنا مستحب ہے اور زیادہ اجر کا باعث ہے۔

سنن نسائی میں محمود بن لبید اپنی قوم کے چند انصار بزرگوں سے روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا مَا أَسْفَرْتُمْ بِالْفَجْرِ فَإِنَّهُ أَعْظَمُ لِلْأَجْرِ کہ صبح کا جس قدر اسفار کرو گے وہ اجر میں بڑا ہوگا۔ اس حدیث کو حافظ زیلعی نے صحیح کہا تو اس حدیث سے اسفار کے معنی بھی معلوم ہو گئے کہ خوب روشنی کرنا ہے اور مخالفین کی تاویلات کی بھی تردید ہو گئی۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ رسول کریم ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو فرمایا:

یَا بِلَالُ نَوِّرْ بِصَلٰوةِ الصُّبْحِ حَتّٰى يُبْصِرَ الْقَوْمُ مَوَاقِعَ نَبْلِهِمْ مِنَ الْاِسْفَارِ.

''کہ اے بلال! صبح کی نماز میں اتنی روشنی کیا کرو کہ لوگ اسفار کی وجہ سے اپنے تیروں کے گرنے کی جگہ دیکھ لیا کریں''۔ اس حدیث کو ابوداؤد طیالسی اور ابن ابی شیبہ واسحٰق بن راہویہ وطبرانی نے معجم میں روایت کیا۔ (صحیح بہاری جلد ۲ ص ۲۵۶) آثار السنن میں اس کی سند کو حسن کہا ہے۔ اس حدیث سے بھی ثابت ہوا کہ فجر میں اسفار مستحب ہے۔ تیروں کے گرنے کی جگہ اسی وقت نظر آسکتی ہے جب کہ اچھی روشنی ہو۔ ایک حدیث میں آیا ہے مَنْ نَوَّرَ الْفَجْرَ نَوَّرَ اللّٰهُ فِيْ قَبْرِهٖ وَقَلْبِهٖ وَقَبِلَ صَلٰوتَهٗ. رواه الديلمي.

رسول کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص فجر کو روشنی میں پڑھے اللہ تعالیٰ اس کی قبر اور اس کے دل کو روشن کرتا ہے اور اس کی نماز مقبول ہو جاتی ہے۔ (صحیح بہاری)

ایک شبہ۔ بعض احادیث میں آیا ہے کہ رسول کریم ﷺ فجر کی نماز غلس یعنی اندھیرے میں پڑھتے تھے۔ عورتیں نماز فجر میں حاضر ہوتی تھیں۔ جب فارغ ہو کر گھروں میں جاتی تھیں تو بسبب اندھیرے کے پہچانی نہیں جاتی تھیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ اندھیرا مسجد کے اندرونی حصہ میں ہوتا تھا نہ یہ کہ صحن میں بھی اندھیرا ہوتا تھا۔ اسفار کے وقت بھی مسجد کے اندرونی حصہ میں اندھیرا ہوا کرتا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ اتنا زیادہ اسفار نہ کرتے تھے کہ آفتاب کا طلوع قریب ہو جائے۔ کیونکہ حدیث میں آپ کا اسفار میں نماز فجر پڑھنا ثابت ہے۔ اعلاء السنن حصہ دوم ص ۱۹ میں بیان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو عرض کیا کہ رسول کریم ﷺ کے نماز کے اوقات بیان فرمایئے تو انہوں نے کہا کہ ظہر کی نماز زوال آفتاب کے بعد اور عصر کی نماز تمہارے ظہر وعصر کے درمیان پڑھا کرتے تھے۔ اور مغرب کی نماز غروب آفتاب کے وقت اور عشاء کی نماز غروب شفق کے وقت و يصلى الغداة عند طلوع الفجر حين يفتح البصر اور فجر کی نماز طلوع صبح کے بعد پڑھتے تھے جبکہ نگاہ کھلنے لگے یعنی دور دور کی چیزیں نظر آنے لگیں۔ اس حدیث کو ابو یعلیٰ نے روایت کیا۔ اس کی سند حسن ہے۔ (مجمع الزوائد)

اسی طرح ایک دوسری حدیث میں بیان ہی سے روایت ہے کہا اس نے

سمعت انسا يَقُوْلُ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُصَلِّي الصُّبْحَ حِيْنَ يَفْسَحُ الْبَصَرُ. (رواه الامام ابو محمد القاسم بن ثابت السرقسطي في كتاب غريب الحديث)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ ایسے وقت میں نماز پڑھتے تھے کہ نگاہ دور تک پہنچ سکے۔ ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ رسول کریم ﷺ نماز صبح اسفار میں پڑھتے تھے۔

اعلاء السنن حصہ دوم ص ۴۲ میں بحوالہ طبرانی مجاہد سے روایت ہے وہ قیس بن سائب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

كان النبي ﷺ يصلي الفجر حتى يتغشى النور السماء.

(مجمع الزوائد: ۸۸۶۱)

قیس کہتے ہے کہ رسول کریم ﷺ اس وقت فجر پڑھتے تھے جبکہ آسمان میں روشنی پھیل جاتی تھی۔ اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ فجر کی نماز حضور ﷺ اسفار میں پڑھتے تھے۔ پس یا تو احادیث فعلیہ میں تطبیق کی جائیگی کہ اندھیرے سے مراد اندرونی حصہ مسجد کا اندھیرا ہے یا یہ کہ اسفار اتنا زیادہ نہیں ہوتا تھا کہ آفتاب کا نکلنا قریب ہو جائے کما مر۔ یا غلس میں نماز پڑھنا بیان جواز کے لئے تھا۔ یا احادیث فعلیہ میں بسبب متعارض ہونے کے کسی فریق کے لئے حجت نہ رہی اور احادیث قولیہ بلا معارض باقی رہیں۔ تو لامحالہ احادیث قولیہ پر عمل ہوگا۔ علاوہ اس کے قول اور فعل میں جب تعارض ہو تو قول مقدم ہوتا ہے كذا قال الشيخ عبدالحق في اشعة اللمعات تو اس مسئلہ میں بھی احادیث قولیہ اسفروا بالفجر اور نور یا بلال حدیث غلس پر جو کہ فعلی ہے مقدم ہوں گی۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم:

علاوہ اس کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے بھی اسفار ثابت ہے۔ چنانچہ امام طحاوی نے بسند صحیح ابراہیم نخعی سے روایت کیا ہے۔ اس نے کہا:

ما اجتمع اصحاب محمد ﷺ على شيء ما اجتمعوا على التنوير یعنی رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کسی بات پر اس قدر متفق نہیں ہوئے جس قدر اسفار فجر پر متفق ہوئے۔

حضرت ابوبکرؓ

صحیح بہاری ص ۲۵۶ میں حضرت انسؓ سے روایت ہے۔

قَالَ صَلّٰی بِنَا اَبُوْ بَکْرٍ صَلٰوۃَ الصُّبْحِ فَقَرَأَ اٰلَ عِمْرَانَ فَقَالُوْا کَادَتِ الشَّمْسُ تَطْلُعُ قَالَ لَوْ طَلَعَتْ لَمْ تَجِدْنَا غَافِلِیْنَ. (رواہ البیھقی فی السنن الکبری)

انسؓ کہتے ہیں ابوبکرؓ نے ہمیں صبح کی نماز پڑھائی تو سورہ آل عمران پڑھی لوگوں نے (بعد فراغ نماز) کہا کہ آفتاب نکلنے کے قریب ہے۔ آپ نے فرمایا اگر آفتاب نکل آتا تو ہمیں غافل نہ پاتا یعنی ہمیں نماز میں دیکھتا۔ اس حدیث کو بیہقی نے سنن کبریٰ میں روایت کیا ہے۔ معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکر نماز فجر اسفار میں پڑھا کرتے تھے۔

حضرت عمرؓ:

عن ابی عثمان النھدی قَالَ صَلَّیْتُ خَلْفَ عُمَرَؓ اَلْفَجْرَ فَمَا سَلَّمَ حَتّٰی ظَنَّ الرِّجَالُ ذُوْ الْعُقُوْلِ اَنَّ الشَّمْسَ طَلَعَتْ فَلَمْ یُسَلِّمْ قَالُوْا یَا اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ کَادَتِ الشَّمْسُ تَطْلُعُ قَالَ فَتَکَلَّمَ بِشَیْءٍ لَمْ اَفْهَمْهُ فَقُلْتُ اَیُّ شَیْءٍ قَالَ فَقَالُوْا لَوْ طَلَعَتِ الشَّمْسُ لَمْ تَجِدْنَا غَافِلِیْنَ. (رواہ البیھقی فی السنن الکبری)

ابوعثمان نہدی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمرؓ کے پیچھے نماز فجر پڑھی آپ نے سلام نہ پھیرا یہاں تک کہ عقلمند لوگوں نے ظن کیا کہ آفتاب طلوع ہو گیا اور آپ نے سلام نہ پھیرا۔ لوگوں نے (بعد از فراغ نماز) عرض کی کہ اے امیر المؤمنین آفتاب نکلنے کے قریب ہے۔ ابوعثمان کہتے ہیں کہ حضرت عمر نے کچھ کلام کی جو میں نہیں سمجھا تو میں نے لوگوں سے پوچھا کہ آپ نے کیا فرمایا ہے۔ انہوں نے کہا کہ آپ فرماتے ہیں اگر آفتاب نکل آتا تو ہمیں غافل نہ پاتا۔ اس کو بیہقی نے سنن کبریٰ میں روایت کیا (صحیح بہاری)۔

معلوم ہوا کہ حضرت عمرؓ بھی اسفار میں نماز فجر پڑھا کرتے تھے۔

حضرت علیؓ:

عن یزید الاودی قَالَ کَانَ عَلِیُّ بْنُ اَبِیْ طَالِبٍ یُصَلِّیْ بِنَا الْفَجْرَ وَ نَحْنُ

نتراءی الشَّمْسَ مَخَافَۃَ اَنْ تَکُوْنَ قَدْ طَلَعَتْ (رواہ الطحاوی)

یزید الاودی کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ ہمیں فجر کی نماز پڑھایا کرتے تھے اور ہم آفتاب کو دیکھتے تھے اس ڈر سے کہ کہیں نکل نہ آیا ہو۔ معلوم ہوا کہ حضرت علیؓ بھی اچھی روشنی میں فجر پڑھا کرتے تھے۔

عبدالرزاق ابن ابی شیبہ وطحاوی نے بسند صحیح روایت کیا ہے کہ حضرت علیؓ اپنے مؤذن کو فرماتے تھے اسفر اسفر یعنی بصلوۃ الصبح ۔ کہ اسفار کرو اسفار کرو صبح کی نماز میں۔ (اعلاء السنن ص ۲۳)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ:

امام طحاوی عبدالرحمان بن یزید سے روایت کرتے ہیں۔

قَالَ کُنَّا نُصَلِّیْ مَعَ ابْنِ مَسْعُوْدٍ فَکَانَ یُسْفِرُ بِصَلٰوۃِ الصُّبْحِ .

عبدالرحمان کہتے ہیں کہ ہم ابن مسعودؓ کے ساتھ نماز پڑھتے تھے۔ وہ نماز صبح میں اسفار کیا کرتے تھے۔ طبرانی نے کبیر میں اس طرح روایت کیا ہے۔ کَانَ عَبْدُاللّٰہِ بْنُ مَسْعُوْدٍ یُسْفِرُ بِصَلٰوۃِ الْفَجْرِ. مجمع الزوائد میں اس کے سب راوی ثقہ لکھے ہیں (اعلاء السنن ص ۲۲)

الحاصل مذہب امام اعظم کا کہ فجر میں اسفار مستحب ہے نہایت قوی ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں کہ فجر کی تاخیر اخیر وقت تک اجماعاً بلا کراہت مباح ہے اور تقلیل جماعت بھی مکروہ۔ اور لوگوں کو مشقت میں ڈالنا بھی مکروہ یعنی غلس میں فجر پڑھنا ایک تو تقلیل جماعت کا باعث ہے جو مکروہ ہے اور دوسرا لوگوں کو مشقت میں ڈالنا ہے اور وہ بھی مکروہ ہے۔ جیسے حضرت معاویہؓ کو رسول کریم ﷺ نے تطویل قرأت سے منع فرمایا۔ اور اسفار میں نماز پڑھنا باعث کثرت جماعت اور آسانی ہے۔ علاوہ اس کے فجر کی نماز کے بعد اسی جگہ آفتاب نکلنے تک بیٹھے رہنا مستحب ہے جو اسفار میں آسان ہے لیکن غلس میں آسان نہیں۔ واللہ اعلم۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ظہر کا مسنون وقت

حدیث ۴

عَنْ أَبِي ذَرٍّ ﷺ قَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فَأَرَادَ الْمُؤَذِّنُ أَنْ يُؤَذِّنَ فَقَالَ لَهُ أَبْرِدْ ثُمَّ أَرَادَ أَنْ يُؤَذِّنَ فَقَالَ لَهُ أَبْرِدْ ثُمَّ أَرَادَ أَنْ يُؤَذِّنَ فَقَالَ لَهُ أَبْرِدْ حَتَّى سَاوَى الظِّلُّ التُّلُولَ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ إِنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ.

(رواه البخاري في باب الاذان: ٤٢١)

''حضرت ابوذر غفاری ﷺ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ ہم رسول کریم ﷺ کے ہمراہ سفر میں تھے۔ مؤذن نے اذان دینے کا ارادہ کیا تو آپ نے فرمایا ٹھنڈا کرو یعنی وقت ٹھنڈا ہونے دو۔ اس نے پھر تھوڑی دیر کے بعد اذان دینے کا ارادہ کیا تو آپ نے فرمایا ٹھنڈا ہونے دو۔ اس نے پھر تھوڑی دیر کے بعد اذان کا ارادہ کیا تو آپ نے فرمایا اور ٹھنڈا ہونے دو۔ یہاں تک کہ سایہ ٹیلوں کے برابر ہوگیا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ گرمی کی شدت دوزخ کے جوش سے ہوتی ہے''۔

اس کو بخاری نے روایت کیا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ظہر کا وقت ایک مثل کے بعد بھی رہتا ہے۔ کیونکہ یہ امر مشاہدہ سے معلوم ہے کہ ٹیلوں کا سایہ بہت دیر سے ظاہر ہوتا ہے کیونکہ ٹیلے اشیا منبسطہ میں سے ہیں۔ یعنی مٹی یا ریت کے اونچے ڈھیر کو ٹیلہ کہتے ہیں۔ اس کا سایہ جب ایک مثل ہو جیسا کہ حدیث مذکور میں آیا ہے تو اشیا منتصبہ لکڑی وغیرہ جو کھڑی کی جائے اس کا سایہ مثل سے زیادہ ہوتا ہے اور حدیث مذکور میں صاف تصریح ہے کہ ظہر کی اذان اس وقت ہوئی جب کہ ٹیلوں کا سایہ ان کے برابر ہوگیا۔ تو یہ اذان کھڑی چیزوں کے سایہ کے ایک مثل کے بعد میں ہوئی۔ تو ثابت ہوا کہ ظہر کا وقت ایک مثل کے بعد تک باقی رہتا ہے۔ علاوہ اس کے اذان تو ایک مثل کے بعد ہوئی اور اذان اور نماز میں ایک معتد بہ فصل ہوتا ہے۔ تو نماز کا ایک مثل کے بعد ہونا اور بھی ظاہر ہوگا۔ یہی مذہب ہے حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا کہ نماز ظہر کا وقت دو مثل تک باقی رہتا ہے۔

اسی کی تائید میں وہ حدیث ہے جو کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے۔ انہوں نے رسول کریم ﷺ سے سنا فرماتے تھے کہ تمہاری عمر ان لوگوں کی عمر کے مقابلہ میں جو تم سے پہلے تھے ایسی ہے جیسے کہ عصر کی نماز سے غروب شمس تک۔ اہل توریت کو توریت ملی۔ انہوں نے کام کیا جب آدھا دن ہو گیا تو وہ عاجز آ گئے یعنی تھک گئے تو ان کو ایک ایک قیراط دیا گیا۔ پھر اہل انجیل کو انجیل ملی تو انہوں نے عصر تک کام کیا پھر عاجز ہو کر رہ گئے تو ان کو بھی ایک ایک قیراط ملا پھر ہمیں قرآن دیا گیا تو ہم نے غروب آفتاب تک کام کیا تو ہمیں دو دو قیراط عطا ہوئے۔ اس پر ان دونوں اہل کتاب نے کہا کہ اے خدا تو نے ان کو دو دو قیراط دئے اور ہمیں ایک ایک قیراط دیا حالانکہ ہم کام میں ان سے بڑھے ہوئے ہیں۔ تو اللہ تعالی نے فرمایا کہ کیا میں نے تمہاری مزدوری میں سے کچھ نقصان کیا؟ انہوں نے کہا نہیں۔ تو فرمایا کہ یہ میرا فضل ہے جس کو چاہوں دے دوں۔ اس کو بخاری نے روایت کیا۔ اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ ظہر کا وقت ایک مثل کے بعد دو مثل تک

باقی رہتا ہے کیونکہ اس میں تصریح ہے کہ یہود ونصاریٰ دونوں کہتے ہیں نحن اکثر عملا ایک دوسری روایت میں ہے واقل عطاء کہ ہمیں کام بہت اور اجرت تھوڑی۔

تو اگر ظہر کا وقت ایک ہی مثل تک ختم ہو جائے اور عصر کا وقت شروع ہو جائے تو عصر کا وقت ظہر کے وقت کے برابر ہو جائے گا بلکہ کچھ زیادہ ہی ہو گا حالانکہ حدیث کے الفاظ یہ چاہتے ہیں کہ عصر کا وقت بہ نسبت ظہر کے وقت کے کم ہو اور یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ ظہر کا وقت دو مثل تک باقی رہے اور دو مثل کے بعد عصر شروع ہو۔ تاکہ غروب آفتاب تک اس کا وقت ظہر کے وقت سے کم ہو۔ اس کی تائید میں ہے وہ حدیث جو امام مالک نے مؤطا میں عبداللہ بن رافع سے روایت کی ہے کہ اس نے ابو ہریرہ سے نماز کے اوقات سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا: صَلِّ الظُّهْرَ إِذَا كَانَ ظِلُّكَ مِثْلَكَ وَالْعَصْرَ إِذَا كَانَ ظِلُّكَ مِثْلَيْكَ یعنی ظہر کو اس وقت ادا کر جبکہ تیرا سایہ تیری مثل ہو جائے اور عصر اس وقت پڑھ جبکہ تیرا سایہ دو مثل ہو جائے (الحدیث) تو اس سے بھی معلوم ہوا کہ ایک مثل کے بعد ظہر کا وقت باقی رہتا ہے کیونکہ ابو ہریرہ ؓ سے یہ بہت بعید ہے کہ وہ نماز کے وقت گزر جانے کے بعد نماز پڑھنے کا حکم کریں۔ تو جب وہ ظہر کی نماز کو اس وقت پڑھنے کا حکم دیتے ہیں جب سایہ ایک مثل ہو جائے تو معلوم ہوا کہ مثل کے بعد وقت باقی رہتا ہے۔ ایسے ہی نماز عصر کو دو مثل کے بعد پڑھنے کا حکم دیتے ہیں۔ یہی مذہب امام اعظم رحمہ اللہ کا ہے و للہ الحمد۔

جبریل علیہ السلام کی امامت والی حدیث میں تصریح ہے کہ جبریل نے پہلے دن عصر اس وقت پڑھی جبکہ سایہ ہر شے کا اس کی مثل تھا۔ پھر دوسرے دن ظہر اس وقت پڑھی جس وقت پہلے دن عصر پڑھی تھی۔ چنانچہ حدیث کے الفاظ ہیں۔ صَلَّى الْمَرَّةَ الثَّانِيَةَ الظُّهْرَ حِيْنَ كَانَ ظِلُّ كُلِّ شَيْءٍ مِثْلَهُ لِوَقْتِ الْعَصْرِ بِالْأَمْسِ. اس کو ترمذی و ابو داؤد نے روایت کیا۔ اس حدیث سے بھی ثابت ہوا کہ ایک مثل کے بعد ظہر کا وقت باقی رہتا ہے۔ رہی یہ بات کہ اس حدیث سے نماز عصر کا ایک مثل کے وقت پڑھنا ثابت ہوتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث جبریل دربارہ وقت عصر منسوخ ہے کیونکہ حدیث ابوذر جس کو ہم اوپر لکھ آئے ہیں متاخر ہے اور حدیث جبریل

یقیناً مقدم ہے۔ ان دونوں کی تطبیق ممکن نہیں۔ تو لامحالہ حدیث مقدم منسوخ سمجھی جائے گی۔ کما قال ابن الهمام فی فتح القدیر۔

نیز حدیث بریدہ ؓ جس میں ایک سائل نے حضور ﷺ سے اوقات نماز کا سوال کیا اس کی تائید کرتی ہے۔ اس میں آیا ہے فَلَمَّا أَنْ كَانَ الْيَوْمُ الثَّانِي أَمَرَهُ أَبْرِدْ بِالظُّهْرِ فَأَبْرَدَ بِهَا فَأَنْعَمَ أَنْ يُبْرِدَ بِهَا (مسلم) جب دوسرا دن ہوا تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ ظہر کو سرد کرو تو اس نے سرد کیا اور سرد کرنے میں مبالغہ کیا اور یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ بعد مثل کے ادا ہو۔ اور یہ کہنا کہ بعد مثل ظہر اور عصر کا وقت مشترک ہے اجماع کے خلاف ہے۔ بعض علماء نے امام مالک سے نقل کیا ہے مگر صحیح یہ ہے کہ ان کا قول بھی یہی ہے کہ ظہر کا اخیر وقت ایک مثل تک ہے، کذا في رحمة الأمة للشعراني۔

اس تحقیق سے کما حقہ ثابت ہو گیا کہ امام اعظم رحمہ اللہ کا مذہب کہ ظہر کا وقت دو مثل تک ہے نہایت صحیح اور احادیث صحیحہ کے موافق ہے۔ فقہاء علیہم الرحمۃ نے متون میں اسی کو اختیار کیا۔ بدائع میں اسی کو صحیح لکھا ہے۔ محیط اور ینابیع میں وھو الصحیح لکھا ہے۔

(اعلاء السنن جلد ۲ ص ۷)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حدیث ۵

عَنْ أَبِي هريرة ؓ قَالَ:
قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ فَأَبْرِدُوْا بِالصَّلٰوةِ فَإِنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ.

(بخاری:۵۳۹، مسلم ۱۳۵۳)

''فرمایا رسول کریم ﷺ نے جب گرمی کی شدت ہو تو نماز کو ٹھنڈا کرو کیونکہ گرمی کی شدت جہنم کے جوش سے ہوتی ہے''۔

اس حدیث کو بخاری و مسلم نے روایت کیا۔ ایک دوسری حدیث میں تصریح ہے کہ ظہر کو ٹھنڈا کرو جس کو امام بخاری نے ابو سعید خدری ؓ سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ معلوم ہوا کہ نماز کو گرمیوں میں ٹھنڈا کر کے پڑھنا مستحب ہے۔

یہی مذہب امام ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ و جمہور صحابہ ؓ کا ہے۔ رہی یہ بات کہ ابراد کی حد کیا ہے۔ احادیث میں اس کی حد بھی معلوم ہوتی ہے کہ ایک مثل کے بعد پڑھے۔ چنانچہ حدیث چہارم میں مفصل گزرا۔ تو گرمیوں میں ظہر کو مثل سے پہلے پڑھنا اس حدیث کے خلاف ہے۔ نماز جمعہ کا بھی یہی حکم ہے کہ گرمیوں میں دیر سے اور سردیوں میں سویرے پڑھنا مستحب ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حدیث ۶

عَنْ عَلِيِّ بْنِ شَيْبَانَ قَالَ قَدِمْنَا عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ الْمَدِيْنَةَ فَكَانَ يُؤَخِّرُ الْعَصْرَ مَا دَامَتِ الشَّمْسُ بَيْضَاءَ نَقِيَّةً.

(رواه أبو داؤد:۴۰۸ و سكت عنه)

''علی بن شیبان ؓ کہتے ہیں کہ ہم مدینہ شریف میں رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ عصر کی نماز میں تاخیر فرماتے تھے جب تک سورج صاف اور روشن رہتا''۔

اس کو ابوداؤد نے روایت کیا اور اس پر سکوت فرمایا۔ ابوداؤد جس حدیث پر سکوت فرماتے ہیں وہ ان کے نزدیک حسن ہوتی ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز عصر کو تاخیر سے پڑھنا مستحب ہے۔ اور تاخیر کی حد بھی معلوم ہوگئی کہ سورج کے زرد ہونے سے پہلے پڑھے جبکہ آفتاب صاف اور روشن ہو۔ اتنی تاخیر بھی نہ کرے کہ وقت مکروہ ہو جائے۔ اسی کی تائید میں وہ حدیث ہے جو امام احمد اور ترمذی نے بسند صحیح ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ وہ فرماتی ہیں کہ جناب رسول کریم ﷺ نماز ظہر کو تم سے جلدی پڑھتے تھے اور تم نماز عصر جناب رسول کریم ﷺ سے جلدی پڑھتے ہو۔ معلوم ہوا کہ نماز عصر میں تاخیر کرنا مستحب ہے۔ رسول کریم ﷺ کا یہی طریقہ تھا اور یہی امام اعظم رحمہ اللہ کا مذہب ہے۔

عبدالرزاق اپنے مصنف میں ثوری سے وہ ابواسحاق سے وہ عبدالرحمان بن یزید سے روایت کرتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ عصر کی نماز میں تاخیر کیا کرتے تھے۔ (اعلاء سنن ۳۲)

اسی طرح عبدالواحد بن نافع کہتے ہیں کہ میں مسجد مدینہ میں داخل ہوا تو مؤذن نے نماز عصر کے لئے اذان دی۔ ایک بزرگ بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے مؤذن کو ملامت کی اور فرمایا کہ میرے باپ نے مجھے خبر دی ہے کہ رسول کریم ﷺ اس نماز عصر کی تاخیر کا حکم دیا کرتے تھے۔ میں نے پوچھا کہ یہ بزرگ کون ہیں۔ لوگوں نے کہا یہ عبداللہ بن رافع بن خدیج ہیں۔ اس حدیث کو دارقطنی اور بیہقی نے روایت کیا۔ (صحیح بہاری جلد ۲ ص ۲۵۹)

معلوم ہوا کہ نماز عصر میں تاخیر مستحب ہے اور جن حدیثوں میں عصر کا سویرے پڑھنا آیا ہے وہ ان احادیث کے منافی نہیں کیونکہ سورج کے تغیر سے پہلے عصر پڑھ لینے سے غروب تک نحو طبخ اکل سب کچھ ہوسکتا ہے۔ کیونکہ اہل بادیہ یہ سب کام جلدی کر لیتے ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حدیث ۷

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ سَاَلَ رَجُلٌ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَنْ وَقْتِ الصَّلٰوةِ فَلَمَّا دَلَكَتِ الشَّمْسُ اَذَّنَ بِلَالٌ الظُّهْرَ فَاَمَرَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَاَقَامَ الصَّلٰوةَ فَصَلّٰى ثُمَّ اَذَّنَ لِلْعَصْرِ حِيْنَ ظَنَنَّا اَنَّ ظِلَّ الرَّجُلِ اَطْوَلُ مِنْهُ فَاَمَرَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَصَلّٰى ثُمَّ اَذَّنَ لِلْمَغْرِبِ حِيْنَ غَابَتِ الشَّمْسُ فَاَمَرَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَ صَلّٰى ثُمَّ اَذَّنَ لِلْعِشَآءِ حِيْنَ ذَهَبَ بَيَاضُ النَّهَارِ وَ هُوَ الشَّفَقُ ثُمَّ اَمَرَهٗ فَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَ صَلّٰى، ثُمَّ اَذَّنَ لِلْفَجْرِ فَاَمَرَهٗ فَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَ صَلّٰى، ثُمَّ اَذَّنَ بِلَالٌ الْغَدَ لِلظُّهْرِ حِيْنَ دَلَكَتِ الشَّمْسُ فَاَخَّرَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ حَتّٰى صَارَ ظِلُّ كُلِّ شَيْءٍ مِثْلَهٗ فَاَمَرَهٗ فَاَقَامَ وَصَلّٰى ثُمَّ اَذَّنَ لِلْعَصْرِ فَاَخَّرَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ حَتّٰى صَارَ ظِلُّ كُلِّ شَيْءٍ مِثْلَيْهِ فَاَمَرَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَاَقَامَ وَصَلّٰى ثُمَّ اَذَّنَ لِلْمَغْرِبِ حِيْنَ غَرَبَتِ الشَّمْسُ

فَأَخَّرَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ حَتّٰى كَادَ يَغِيْبُ بَيَاضُ النَّهَارِ وَهُوَ الشَّفَقُ فِيْمَا يُرٰى ثُمَّ أَمَرَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَأَقَامَ الصَّلٰوةَ وَصَلّٰى ثُمَّ أَذَّنَ لِلْعِشَاءِ حِيْنَ غَابَ الشَّفَقُ فَنِمْنَا ثُمَّ قُمْنَا مِرَارًا ثُمَّ خَرَجَ إِلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ مَا أَحَدٌ مِّنَ النَّاسِ يَنْتَظِرُ هٰذِهِ الصَّلٰوةَ غَيْرَكُمْ فَإِنَّكُمْ فِيْ صَلٰوةٍ مَا انْتَظَرْتُمُوْهَا وَلَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلٰى أُمَّتِيْ لَأَمَرْتُ بِتَأْخِيْرِ هٰذِهِ الصَّلٰوةِ إِلٰى نِصْفِ اللَّيْلِ أَوْ أَقْرَبَ مِنْ نِصْفِ اللَّيْلِ، ثُمَّ أَذَّنَ لِلْفَجْرِ فَأَخَّرَهَا حَتّٰى كَادَتِ الشَّمْسُ أَنْ تَطْلُعَ فَأَمَرَهُ فَأَقَامَ الصَّلٰوةَ فَصَلّٰى، ثُمَّ قَالَ الْوَقْتُ فِيْمَا بَيْنَ هٰذَيْنِ.

رواه الطبراني في الاوسط واسناده حسن (مجمع الزوايد: ١/٣٨٦)
(إعلاء السنن ص ١٤)

"جابر بن عبداللہ ؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے نماز کے اوقات کے متعلق سوال کیا۔ تو جب آفتاب ڈھل گیا تو بلال ؓ نے ظہر کی اذان دی اس کے بعد آپ نے حکم دیا تو اس نے تکبیر کہی تو آپ نے نماز پڑھی پھر اس نے عصر کی اذان اس وقت کہی جب کہ ہم نے سمجھا کہ آدمی کا سایہ اس سے بڑھ گیا ہے۔ اس کے بعد آپ نے حکم دیا تو انہوں نے تکبیر کہی تو آپ نے نماز پڑھی پھر نماز مغرب کی اذان اس وقت دی جبکہ آفتاب غروب ہو گیا۔ اس کے بعد آپ نے اسے حکم دیا تو اس نے تکبیر کہی تو آپ نے نماز مغرب پڑھی۔ پھر عشاء کی اذان اس وقت دی جبکہ دن کی سفیدی یعنی شفق جاتی رہی تو آپ نے حکم دیا۔ اس نے تکبیر کہی تو آپ نے نماز عشاء پڑھی پھر فجر کی

اذان دی اسکے بعد آپ نے حکم دیا تو انہوں نے تکبیر کہی تو آپ نے نماز پڑھی پھر اگلے دن بلال نے ظہر کی اذان اس وقت دی جبکہ آفتاب ڈھل گیا۔ تو آپ نے یہاں تک تاخیر کی کہ ہر شے کا سایہ اس کے برابر ہو گیا۔ اس کے بعد آپ نے حکم دیا تو اس نے تکبیر کہی تو آپ نے نماز پڑھ لی۔ پھر اس نے عصر کی اذان دی تو آپ نے یہاں تک تاخیر کی کہ ہر شے کا سایہ اس کے دو مثل یعنی دوگنا ہو گیا۔ تو آپ نے امر کیا تو اس نے تکبیر کہی تو آپ نے نماز پڑھ لی۔ پھر اس نے مغرب کی اذان اس وقت دی جبکہ سورج غروب ہو گیا تو آپ نے یہانتک تاخیر فرمائی کہ دن کی سفیدی غائب ہونے کے قریب ہو گئی اور وہ شفق ہے۔ پھر آپ نے ان کو حکم دیا تو انہوں نے تکبیر کہی تو آپ نے نماز پڑھی پھر عشاء کی اذان اس وقت دی جب شفق یعنی دن کی سفیدی غائب ہو گئی پھر ہم سو گئے پھر جاگے۔ کئی بار ایسا ہوا۔ پھر رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ تمھارے سوا کوئی آدمی اس نماز کا انتظار نہیں کر رہا۔ پس تم نماز میں ہی ہو جب تک نماز کے انتظار میں رہو۔ اگر یہ بات نہ ہوتی کہ میں تاخیر کا حکم کر کے اپنی امت کو مشقت میں ڈال دونگا تو اس نماز کو نصف شب یا قریب نصف شب تک تاخیر کا حکم دیتا۔ پھر انہوں نے فجر کی اذان دی تو آپ نے یہانتک تاخیر کی کہ آفتاب قریب طلوع تھا۔ تو آپ نے امر فرمایا تو انہوں نے تکبیر کہی تو آپ نے نماز فجر پڑھی۔ پھر فرمایا کہ وقت ان دونوں وقتوں کے درمیان ہے"۔

اس کو طبرانی نے اوسط میں روایت کیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ شفق سے مراد وہ سفیدی ہے جو سرخی کے بعد ہوتی ہے اور یہ امر متفق علیہ ہے کہ غروب شفق تک مغرب کا وقت رہتا ہے۔ اور بعد غروب شفق عشاء کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔ اور شفق سے مراد سفیدی ہے۔ جیسا کہ اس حدیث میں تصریح ہے۔ تو معلوم ہوا کہ سفیدی تک مغرب کا وقت رہتا ہے۔ سفیدی دور ہو

جائے تو عشاء کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔ یہی مذہب ہے امام ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ کا۔ رہی یہ بات کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عصر کا وقت مثلین سے پہلے ہو جاتا ہے۔ اس کا جواب حدیث چہارم میں گذرا۔ فلا نعیدہ.

اسی کی تائید میں ہے وہ حدیث جو کہ ترمذی نے ابو ہریرہ ﷺ سے روایت کی۔ کہا ابو ہریرہ نے فرمایا رسول کریم ﷺ نے کہ نماز کے لئے اول اور آخر ہے نماز ظہر کا اول زوال شمس کے وقت ہے۔ اور اس کا آخر (۱) جبکہ عصر کا وقت آجائے۔ اور وقت عصر کا اول جبکہ اس کا وقت ہو جائے اور اس کا آخری وقت جبکہ سورج زرد ہو جائے (یعنی وقت مستحب سورج کی زردی تک ہے) اور مغرب کا اول غروب شمس کے وقت ہے اور اس کا آخری وقت شفق کے غائب ہونے تک ہے۔ اور عشاء کا اول وقت افق یعنی کنارہ کے غائب ہونے کے وقت ہے اور اس کا آخری (مستحب) وقت جب کہ آدھی رات ہو جائے۔ اور فجر کا اول وقت طلوع فجر اور اس کا آخری وقت طلوع شمس تک ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عشاء کا اول وقت اس وقت شروع ہوتا ہے جب کہ سفیدی غائب ہو جائے کیونکہ افق اسی وقت غائب ہوتی ہے جب سپیدی غائب ہو۔ اور یہ امر متفق علیہ ہے کہ مغرب اور عشاء کے درمیان فصل نہیں۔ تو ثابت ہوا کہ سپیدی تک مغرب کی نماز کا وقت ہے۔

اسی طرح ابو داؤد کی حدیث مین آیا ہے کہ رسول کریم ﷺ عشاء کی نماز اس وقت پڑھتے تھے جب کہ افق (کنارۂ آسمان) سیاہ ہو جاتا تھا۔ تو افق کا سیاہ ہونا سفیدی کے زائل ہونے کے بعد ہوتا ہے۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ شفق سے مراد سپیدی ہے۔ یہی مذہب ہے حضرت ابو بکر صدیق و معاذ بن جبل و عائشہ ﷺ۔ اور عمر بن عبدالعزیز و اوزاعی و مزنی و ابن المنذر و خطابی نے ایسا ہی فرمایا ہے۔ مبرد اور ثعلب نے اسی کو پسند کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۔ معلوم ہوا کہ ظہر اور عصر کے درمیان فصل نہیں۔ ۱۲ منہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تاخیر عشاء

حدیث ۸

عَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ قَالَ صَلَّيْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ صَلٰوةَ الْعَتَمَةِ فَلَمْ يَخْرُجْ حَتّٰى مَضٰى نَحْوٌ مِنْ شَطْرِ اللَّيْلِ فَقَالَ خُذُوْا مَقَاعِدَكُمْ فَأَخَذْنَا مَقَاعِدَنَا فَقَالَ إِنَّ النَّاسَ قَدْ صَلُّوْا وَأَخَذُوْا مَضَاجِعَهُمْ وَإِنَّكُمْ لَمْ تَزَالُوْا فِيْ صَلٰوةٍ مَا انْتَظَرْتُمْ الصَّلٰوةَ وَلَوْ لَا ضُعْفُ الضَّعِيْفِ وَسُقْمُ السَّقِيْمِ لَأَخَّرْنَا هٰذِهِ الصَّلٰوةَ إِلٰى شَطْرِ اللَّيْلِ.

(رواه ابو داود:٤٢٢ والنسائي:٥٣٦ وابن ماجه:٧٢٢)

''ابو سعید خدری ﷜ سے روایت ہے۔ کہا اس نے کہ ہم نے رسول کریم ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی عشاء کی یعنی کئی راتوں میں اور ایک رات آپ نہ نکلے یہاں تک کہ قریب آدھی رات کے گزر گئی۔ یا یہ کہ ہم نے عشاء پڑھنے کا ارادہ کیا یا یہ کہ ہم نے عشاء پڑھی جس کی تفصیل یہ کہ آپ نہ نکلے یہاں تک کہ تقریباً آدھی رات گزر گئی۔ پھر آپ تشریف لائے اور فرمایا کہ اپنی جگہ بیٹھے رہو۔ ہم اپنی اپنی جگہ پر بیٹھے رہے تو آپ نے فرمایا کہ اور لوگ نماز پڑھ چکے اور اپنی خوابگاہوں میں لیٹ چکے اور تم جب سے نماز کے انتظار میں ہو نماز میں ہی ہو۔ اگر مجھے ضعفِ ضعیف اور مرضِ مریض کا خیال نہ ہوتا تو میں اس نماز کو نصف شب تک مؤخر کر دیتا''۔

اس حدیث کو ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عشاء کی نماز میں تاخیر مستحب ہے۔ امام اعظم رحمہ اللہ کا یہی مذہب ہے۔ اس حدیث کے یہ معنی نہیں کہ آدھی رات ہو جانے کے بعد نماز پڑھی جاتی تھی۔ کیونکہ آدھی رات کے بعد نماز مکروہ ہے۔ بلکہ اس کے یہ معنی ہیں کہ ایسے وقت میں نماز پڑھی جائے کہ آدھی رات تک ختم ہو جائے۔ اسی کی تائید میں ہے وہ حدیث جو ابو ہریرہ ﷜ نے روایت کی۔ فرمایا رسول کریم ﷺ نے اگر مجھے یہ خیال نہ ہوتا کہ میں اپنی امت کو مشقت میں ڈال دوں گا تو میں ان کو حکم دیتا کہ وہ عشاء کی نماز کو رات کی تہائی یا نصف تک تاخیر کریں۔ اس کو ترمذی نے روایت کیا۔

صحیح مسلم میں جابر بن سمرہ ﷜ سے روایت ہے کو رسول کریم ﷺ نماز عشاء میں تاخیر فرمایا کرتے تھے۔ معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کی عادت مبارک کہ نماز عشاء میں غالب اوقات میں تاخیر تھی۔ وبهذا قال إمامنا الاعظم والجمهور.

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حدیث ۹

جمع بین الصلوتین

عَنْ أَبِي قَتَادَةِ قَالَ :
قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ أَمَا أَنَّهُ لَيْسَ فِي النَّوْمِ تَفْرِيْطٌ إِنَّمَا التَّفْرِيْطُ عَلَى مَنْ لَّمْ يُصَلِّ حَتّٰى يَجِيْئَ وَقْتُ الصَّلَاةِ الْأُخْرَى.

(رواه مسلم: ۱٥۱۲، باب قضاء الصلاة الفائتة)

''سرورِ عالم ﷺ نے فرمایا کہ سو جانے میں تفریط نہیں۔ تفریط (یعنی جرم) اس پر ہے جو نماز نہ پڑھے یہاں تک کہ دوسری نماز کا وقت آ جائے''۔

اس کو مسلم نے روایت کیا۔ یہ حدیث قولی اس امر پر نص قاطع ہے کہ جو شخص نماز نہ پڑھے یہاں تک کہ دوسری نماز کا وقت آجائے وہ مفرط ہے یعنی قصور کرنے والا ہے۔ معلوم ہوا کہ جو شخص ایک وقت میں دو نمازیں جمع کرے وہ مفرط ہے کیونکہ اس نے نماز نہ پڑھی یہاں تک کہ دوسری نماز کا وقت آگیا۔ پھر اس نے دونوں کو جمع کیا تو بموجب اس حدیث کے وہ مجرم ٹھہرا۔ اسی مضمون کی حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی آئی ہے جس کو امام طحاوی رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ کوئی نماز اس وقت تک فوت نہیں ہوتی جب تک دوسری نماز کا وقت نہ آجائے۔

اسی طرح ابو ہریرہ ﷛ نے فرمایا کہ نماز میں کوتاہی کرنا یہ ہے کہ تم اس میں اتنی دیر کرو کہ دوسری نماز کا وقت آجائے۔ یہ دونوں حدیثیں امام طحاوی نے روایت کی ہیں۔ آثار السنن میں دونوں کو صحیح لکھا ہے۔

قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿إِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتَابًا مَّوْقُوْتًا﴾ کہ نماز مومنوں پر فرض ہے۔ وقت باندھا ہوا۔ نہ وقت کے پہلے صحیح نہ وقت کے بعد تاخیر روا۔ بلکہ ہر نماز فرض ہے کہ اپنے وقت پر ادا ہو۔ نیز آیت ﴿حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى﴾ سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر نماز کی محافظت کا حکم ہے۔ خصوصاً نماز وسطیٰ کا کہ کوئی نماز وقت سے ادھر ادھر نہ ہو۔ بیضاوی اور مدارک میں ایسا ہی لکھا ہے۔ اور آیت ﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ﴾ میں انہی لوگوں کو جنت کے سچے وارث فرمایا ہے جو نماز کو وقت سے بے وقت نہیں ہونے دیتے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود ﷛ آیت ﴿فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ أَضَاعُوا الصَّلٰوةَ﴾ کی تفسیر میں فرماتے ہیں أَخَّرُوْهَا عَنْ مَوَاقِيْتِهَا وَصَلَّوْهَا لِغَيْرِ وَقْتِهَا یہ لوگ جن کی مذمت اس آیت میں ہے وہ ہیں جو نمازوں کو ان کے وقت سے ہٹاتے ہیں اور غیر وقت پر پڑھتے ہیں۔

(عمدۃ القاری، ومعالم و بغوی)

ہم تیسری حدیث کے ضمن میں عبداللہ بن مسعود ﷛ کی متفق علیہ حدیث لکھ آئے ہیں جس میں عبداللہ بن مسعود ﷛ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو کبھی نہیں دیکھا کہ آپ نے نماز کے غیر وقت میں نماز پڑھی ہو۔ سوائے دو نمازوں کے کہ آپ نے مغرب اور عشاء کو غیر وقت میں جمع کیا۔ اور فجر کو اس کے وقت سے پہلے ادا۔ نسائی میں اس طرح آیا ہے کہ رسول کریم ﷺ نماز کو اس کے وقت میں پڑھا کرتے تھے مگر مزدلفہ اور عرفات میں۔ اعلاء السنن ص ۲۷ جلد ۲ میں اس کی سند کو صحیح لکھا ہے۔ معلوم ہوا کہ جن حدیثوں میں جمع بين الصلوتين آیا ہے ان سے مراد جمع صوری ہے کہ صورتاً جمع ہیں اور حقیقتاً اپنے اپنے وقت میں ادا کی گئیں۔ احادیث میں اس کی صراحت بھی موجود ہے۔ امام محمد رحمہ اللہ نے مؤطا میں لکھا ہے کہ حضرت عمر ﷛ نے تمام آفاق میں فرمان نافذ فرمایا کہ کوئی شخص دو نمازیں جمع کرنے نہ پائے اور فرمایا کہ ایک وقت میں دو نمازیں جمع کرنا گناہ کبیرہ ہے۔

الحاصل جمع دو قسم ہے۔ جمع تقدیم۔ مثلاً ظہر کے ساتھ عصر یا مغرب کے ساتھ عشاء پڑھ لے۔ اس کے متعلق کوئی حدیث صحیح نہیں۔ دوسری جمع تاخیر یعنی ظہر یا مغرب کو قصداً یہاں تک تاخیر کرنا کہ وقت نکل جائے پھر عصر یا عشاء کے وقت دونوں نمازوں کا پڑھنا۔ اس بارہ میں جو احادیث آئی ہیں یا تو ان میں صراحتاً جمع صوری مذکور ہے یا مجمل ہے محتمل۔ جو اسی صریح مفصل پر محمول ہے۔ البتہ عرفہ میں جمع تقدیم اور مزدلفہ میں جمع تاخیر بوجہ نسک باتفاق امت جائز ہے اور کسی موقع پر جائز نہیں۔

والبسط فی کتابنا تائید الامام فلینتظر ثمہ۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حدیث ۱۰

عَنْ أَبِي وَائِلٍ شَقِيقِ بْنِ سَلْمَةَ قَالَ شَهِدْتُ عَلِيًّا بْنَ أَبِي طَالِبٍ وَعُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ تَوَضَّأَ ثَلَاثًا ثَلَاثًا وَأَفْرَدَ الْمَضْمَضَةَ مِنَ الْاِسْتِنْشَاقِ ثُمَّ قَالَا هٰكَذَا رَأَيْنَا رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ تَوَضَّأَ.

(رواه أبو علي بن السكن في صحاحه (آثار السنن)

ابووائل شقیق بن سلمہ کہتے ہیں کہ میں حضرت علی اور عثمان رضی اللہ عنہما کے پاس حاضر ہوا ان دونوں نے تین تین بار وضو کے اعضاء کو دھویا اور کلی کو ناک میں پانی ڈالنے سے علیحدہ کیا۔ پھر فرمایا کہ ہم نے رسول کریم ﷺ کو اسی طرح وضو کرتے دیکھا۔

اس حدیث کو ابن السکن نے اپنی صحاح میں روایت کیا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کلی الگ تین بار اور ناک میں الگ تین بار پانی ڈالنا چاہیے۔ یعنی دونوں کے لئے الگ الگ پانی لینا چاہیے۔ امام اعظم رحمہ اللہ کا یہی مذہب ہے۔

اسی طرح ابوداؤد کی حدیث میں آیا ہے کہ ابن ابی ملیکہ سے وضو کا سوال ہوا۔ تو انہوں نے کہا کہ میں نے حضرت عثمان کو دیکھا کہ ان کو وضو کا سوال ہوا۔ تو آپ نے پانی منگوایا۔ تو آپ کے پاس پانی کا برتن لایا گیا تو آپ نے اپنے داہنے ہاتھ پر اس کو جھکایا۔ یعنی اس برتن سے داہنا ہاتھ دھویا پھر آپ نے داہنے ہاتھ کو پانی میں ڈال کر تین بار کلی کی اور تین بار ناک میں پانی ڈالا پھر تین بار منہ دھویا۔ پھر تین بار دایاں ہاتھ دھویا اور بایاں ہاتھ تین بار دھویا۔ پھر اپنا ہاتھ ڈال کر پانی لیا اور سر کا مسح کیا اور کانوں کے ظاہر و باطن کا ایک بار مسح کیا۔ پھر دونوں پاؤں دھوئے اور فرمایا کو وضو کے سائل کہاں ہیں؟ میں نے رسول کریم ﷺ کو اسی طرح وضو کرتے دیکھا ہے۔

آثار السنن میں اس حدیث کی سند کو صحیح لکھا ہے۔ اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ مضمضہ اور استنشاق الگ الگ کرنا چاہیے۔ البتہ جن روایتوں میں جمع بین المضمضة والاستنشاق آیا ہے وہ جواز پر محمول ہیں لیکن افضل فصل ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حدیث ۱۱

عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ مَنْ تَوَضَّأَ وَمَسَحَ بِيَدَيْهِ عَلَىٰ عُنُقِهِ وُقِيَ الْغُلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ.

(رواه ابو الحسن بن فارس: باسناده وقال هذا ان شاء الله حديث صحيح
(تلخيص الحبير)

''ابن عمر کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص وضو کرے
اور اپنے دونوں ہاتھوں سے گردن کا مسح کرے وہ قیامت کے
دن طوق سے محفوظ رکھا جائے گا۔''

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گردن کا مسح کرنا مستحب امر ہے۔ چونکہ اس میں مواظبت ثابت نہیں اس لئے سنت نہیں۔ اس کی تائید میں وہ حدیث ہے جس کو دیلمی نے مسند فردوس میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

مَنْ تَوَضَّأَ وَمَسَحَ عَلَىٰ عُنُقِهِ وُقِيَ الْغُلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

کہ جو شخص وضو کرے اور گردن کا مسح کرے وہ قیامت کے دن طوق سے محفوظ رکھا جائے گا۔ (احیاء السنن ص ۳۸)

اسی کی تائید میں وہ حدیث ہے جس کو امام احمد نے روایت کیا کہ طلحہ اپنے باپ سے وہ اس کے جد سے روایت کرتا ہے کہ اس نے رسول کریم ﷺ کو دیکھا کہ آپ سر کا مسح کرتے یہاں تک کہ قذال (گدی کا اول حصہ) تک پہنچ جاتے جو کہ متصل ہے گردن کی اگلی جانب کو۔ ابن تیمیہ نے منتقی ص ۱۸ میں اس حدیث سے

مسح گردن کے ثبوت پر استدلال کیا ہے۔ نیز ابو عبید کتاب الطہور میں موسیٰ بن طلحہ سے روایت کرتے ہیں:

أَنَّهُ قَالَ مَنْ مَسَحَ قَفَاهُ مَعَ رَأْسِهِ وُقِيَ الْغُلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ.

موسیٰ بن طلحہ فرماتے ہیں جو شخص پشت گردن کا مسح سر کے ساتھ کرے وہ قیامت کے دن طوقِ نار سے محفوظ رہے گا (تلخیص ص ۳۴) علامہ زیلعی نے تخریج ہدایہ کے ص ۸ میں مسند بزار کی روایت سے رسول کریم ﷺ کے وضو کی حکایت نقل کی ہے جس میں یہ لفظ ہیں:

ثُمَّ مَسَحَ عَلَىٰ رَأْسِهِ ثَلٰثًا وَ ظَاهِرَ أُذُنَيْهِ ثَلٰثًا وَظَاهِرَ رَقَبَتِهِ

اس حدیث میں ظاہر گردن کا مسح ثابت ہوتا ہے۔ بہر حال مسح گردن مستحب ہے بدعت نہیں۔ شیخ ابن الہمام فتح القدیر میں فرماتے ہیں:

اَلْاِسْتِحْبَابُ يَثْبُتُ بِالضَّعِيْفِ غَيْرِ الْمَوْضُوْعِ

کہ حدیث ضعیف سے استحباب ثابت ہوتا ہے۔

امام نووی کتاب الاذکار ص ۱۶ میں فرماتے ہیں:

قَالَ الْعُلَمَاءُ مِنَ الْمُحَدِّثِيْنَ وَالْفُقَهَاءِ وَغَيْرُهُمْ يَجُوْزُ وَ يُسْتَحَبُّ الْعَمَلُ فِي الْفَضَائِلِ وَالتَّرْغِيْبِ وَالتَّرْهِيْبِ بِالْحَدِيْثِ الضَّعِيْفِ مَا لَمْ يَكُنْ مَوْضُوْعًا.

کہ محدثین وفقہاء وغیرہم فرماتے ہیں کہ ضعیف حدیث پر فضائلِ اعمال اور ترغیب وترہیب میں عمل کرنا مستحب ہے۔ ہاں موضوع پر عمل جائز نہیں تو حدیث مسح گردن اگرچہ ضعیف ہے اس پر عمل کرنا محدثین وفقہاء کے نزدیک مستحب ہے اس لئے کہ یہ فضائل اعمال میں سے ہے۔ اس زمانہ کے مدعیان عمل بالحدیث پر افسوس ہے کہ انہوں نے مسح گردن بالکل ترک کر دیا ہے۔ بلکہ بدعت کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو سمجھ دے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حدیث ۱۲

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ أَصَابَهُ قَيْئٌ أَوْ رُعَافٌ أَوْ قَلْسٌ أَوْمَذْيٌ فَلْيَنْصَرِفْ فَلْيَتَوَضَّأْ ثُمَّ لِيَبْنِ عَلٰى صَلٰوتِهٖ وَهُوَ فِيْ ذٰلِکَ لَا يَتَكَلَّمُ .

(رواه ابن ماجة: ۱۲۵۸)

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روائت ہے فرمایا رسول کریم ﷺ نے جس شخص کو قے یا نکسیر یا قلس (منہ بھر قے) آجاوے یا مذی نکلے تو وہ نماز سے ہٹ جائے پھر وضو کرے پھر اپنی نماز پر بنا کرے اور اس کے درمیان کلام نہ کرے۔''

اس کو ابن ماجہ نے روائت کیا۔

یہ حدیث مرسل صحیح ہے۔ اسی کی تائید میں ہے وہ حدیث جس کو عبدالرزاق نے اپنے مصنف میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روائت کیا۔ کہا انھوں نے جب کسی شخص کو نکسیر آجاوے نماز میں یا قے کا غلبہ ہو جائے یا مذی پائے سو وہ شخص ہٹ جائے پھر وضو کرے پھر اپنی جگہ آجائے اور باقی نماز کو گذشتہ نماز پر مبنی کر کے تمام کرے۔ جب تک کلام نہ کیا ہو۔ اس کی سند صحیح ہے۔ معلوم ہوا کہ منہ بھر قے اور نکسیر اور مذی سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ یہی مذہب ہے امام اعظم رحمہ اللہ کا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حدیث ۱۳

عَنْ طلق بن علي قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ مَسِّ الرَّجُلِ ذَكَرَهُ بَعْدَ مَا يَتَوَضَّأُ قَالَ وَهَلْ هُوَ إِلَّا بَضْعَةٌ مِنْهُ .

(رواه أبو داؤد: ۱۸۲ والترمذي: ۸۲ والنسائي: ۱۶۳)

''طلق بن علی کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ سے پوچھا گیا کہ کوئی شخص وضو کر کے اپنے ذکر کو مس کرے (تو کیا حکم ہے؟) تو آپ نے فرمایا کہ نہیں وہ مگر ایک ٹکڑا اس سے۔''

یعنی ذکر بھی اس کے بدن کا ایک ٹکڑا ہے تو جس طرح بقیہ اعضاء کو مس کرنے سے وضو نہیں ٹوٹتا اسی طرح اس کے مس سے بھی وضو فاسد نہیں ہوتا۔ ترمذی نے اس حدیث کو أحسن شیء روی فی هذا الباب فرمایا۔ ابن حبان نے اس حدیث کو صحیح کہا۔ ابن المدینی نے فرمایا کہ یہ حدیث بسرہ کی حدیث سے احسن ہے (بلوغ المرام)۔ میں کہتا ہوں حدیث بسرہ میں جو امر ہے وہ امر وجوب کیلئے نہیں بلکہ استحباب کے لئے ہے۔ پس اگر کوئی شخص وضو کر کے اپنے ذکر کو ہاتھ لگا دے تو اس سے وضو فاسد نہیں ہوتا۔ لیکن اختلاف سے بچنے کے لئے بہتر ہے کہ پھر وضو کر لے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حدیث ۱۴

عَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ التَّيَمُّمُ ضَرْبَةٌ لِلْوَجْهِ وَضَرْبَةٌ لِلذِّرَاعَيْنِ إِلَى الْمِرْفَقَيْنِ.

(رواه الحاكم: ۲۳۶ و صححه وقال الدارقطني: ۶۸۰ رجاله كلهم ثقات)

''جابر کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ تیمم دو ضربیں ہیں۔ ایک ضرب منہ کے لئے ایک ضرب دونوں ہاتھوں کے لئے کہنیوں تک۔''

اس کو حاکم نے روائت کیا اور صحیح فرمایا۔ دار قطنی نے اس کے راویوں کو ثقہ کہا۔ بیہقی نے اس کی سند کو صحیح کہا۔ دار قطنی نے ابن عمر سے روائت کیا کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ:

تیمم دو ضربیں ہیں ایک چہرہ کے لئے اور ایک دونوں ہاتھوں کے لئے کہنیوں تک۔ جس حدیث میں تیمم کے لئے ایک ضرب آئی ہے امام نووی نے شرح صحیح مسلم میں اس کا جواب دیا ہے کہ اس حدیث میں مراد تعلیم کے لئے ضرب کی صورت ہے نہ یہ کہ اس کی ایک ہی ضرب سے تیمم ہو جاتا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حدیث ۱۵

عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي لَيْلَى قَالَ حَدَّثَنَا أَصْحَابُ مُحَمَّدٍ ﷺ أَنَّ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ زَيْدِالْأَنصاري جَاءَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ رَأَيْتُ فِي الْمَنَامِ كَأَنَّ رَجُلاً قَامَ وَعَلَيْهِ بُرْدَانِ أَخْضَرَانِ فَقَامَ عَلَى جِزْمِ حَائِطٍ فَأَذَّنَ مَثْنَى وَ أَقَامَ مَثْنَى.

(رواه ابن أبي شيبه في المصنف: ۲۱۱۶ والبيهقي في سننه: ۲۰۰۶)

''عبدالرحمن بن ابی لیلی کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ کے اصحاب نے ہمیں حدیث بیان کی کہ عبداللہ بن زید انصاری رضی اللہ عنہ حضور علیہ السلام کے پاس آئے اور عرض کی کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم) میں نے خواب میں دیکھا ہے گویا ایک شخص کھڑا ہے اور اس پر دو سبز کپڑے ہیں۔ وہ دیوار پر کھڑا ہوا۔ اس نے دو دو مرتبہ اذان دی اور دو دو مرتبہ اقامت کہی۔''

اس کو ابن ابی شیبہ نے مصنف میں اور بیہقی نے سنن میں روائت کیا۔ جوھر النقی میں ہے کہ ابن حزم نے فرمایا کہ اس حدیث کی سند نہایت صحیح ہے۔

یہ حدیث اذان میں اصل ہے۔ اس میں ترجیع نہیں۔ معلوم ہوا کہ ترجیع سنت نہیں۔ قاله ابن الجوزي۔ حضرت بلال ﷺ جو کہ سرور عالم ﷺ کے سامنے اذان دیا کرتے تھے۔ اگر ترجیع مسنون ہوتی تو حضور ﷺ بلال کو امر فرماتے اور بلال کم سے کم ایک بار تو ترجیع کے ساتھ اذان دیتے۔

ابومحذورہ ﷺ جس کی اذان میں ترجیع آئی ہے وہ در بارہ تعلیم ہے۔ کہ ابومحذورہ نے اپنا آواز اتنا لمبانہ کیا جتنا کہ حضور ﷺ کا ارادہ تھا۔ اسلئے فرمایا:

ارجع و أمدد من صوتك۔ پھر کہہ اور آواز لمبا کر۔

علاوہ اس کے خود ابومحذورہ ﷺ سے اذان بلا ترجیع آئی ہے۔ امام طحاوی نے عبدالعزیز بن رفیع سے روائت کیا ہے۔ اس نے کہا میں نے سنا ابومحذورہ ﷺ کو کہ وہ دو دو بار اذان اور دو دو بار اقامت کہتے تھے۔ جوہر النقی میں اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ اور یہی مذہب ہے امام اعظم رحمہ اللہ کا۔

وہ جو بعض روایات میں آیا ہے کہ تخفض بها صوتك ثم ترفع صوتك وہ ضعیف ہے۔ اس میں حارث بن عبید ابوقدامہ راوی ہے جس کو امام احمد مضطرب الحدیث اور ابن معین ضعیف کہتا ہے۔ نسائی نے بھی کہا ہے کہ وہ قوی نہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حدیث ۱۶

عن أنس قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا افْتَتَحَ الصَّلٰوةَ كَبَّرَ ثُمَّ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتّٰى يُحَاذِيَ إِبْهَامَيْهِ اُذُنَيْهِ ثُمَّ يَقُوْلُ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالٰى جَدُّكَ وَ لَا إِلٰهَ غَيْرُكَ.

(رواه الدار قطني: ۱۱۲۹ وقال أسناده كلهم ثقات كذا في الزيلعي)

حضرت انس ﷺ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ جب نماز کو شروع کرتے تو تکبیر کہتے پھر دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے یہانتک کہ آپ کے انگوٹھے دونوں کانوں کے برابر ہو جاتے پھر سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ آخر تک پڑھتے۔ اس کو دار قطنی نے روائت کیا۔ اس کے رواۃ سب ثقہ ہیں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تکبیر تحریمہ کے لئے ہاتھ کانوں کے برابر اٹھانے چاہئیں۔ ایسا ہی ابوداؤد میں وائل کی حدیث میں آیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا رسول کریم ﷺ کو جب شروع کیا نماز کو تو دونوں ہاتھ کانوں کے برابر تک اٹھاتے۔ کہا وائل نے میں ان کے پاس آیا تو دیکھا کہ اپنے ہاتھوں کو سینوں تک اٹھاتے ہیں۔ اور ان پر بارانیاں اور لوئیاں تھیں۔ یعنی سردی کے سبب ہاتھوں کو باہر نہیں نکالتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جن روائتوں میں مونڈھوں کے برابر ہاتھ اٹھانا آیا ہے وہ عذر سردی سے تھا یا یہ کہ مونڈھوں کے برابر ہاتھ ہوں۔ اور دونوں انگوٹھے کانوں کے برابر ہوں۔ چنانچہ ابوداؤد میں وائل کی حدیث میں آیا ہے کہ اس نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا جب وہ نماز کے لئے کھڑے ہوئے تو آپ نے دونوں ہاتھ اٹھائے۔ یہاں تک کہ مونڈھوں کے مقابل ہو گئے اور برابر کیا دونوں ابہاموں (انگوٹھوں) کو اپنے کانوں کے (شرح مسند امام ص ۲۴۴)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حدیث ۱۷

عن وائل بن حجر قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ وَضَعَ يَمِينَهُ عَلیٰ شِمَالِهِ فِي الصَّلٰوةِ تَحْتَ السُّرَّةِ.

(أخرجه ابن أبي شيبة: ۳۹۲۳)

"وائل بن حجر کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا رسول کریم ﷺ کو کہ آپ نے نماز میں دایاں ہاتھ بائیں پر ناف کے نیچے رکھا۔"
اس کو ابن ابی شیبہ نے روایت کیا۔

شیخ قاسم بن قطلو بغا حنفی نے فرمایا کہ اس کی سند جید ہے (شرح ترمذی لابي الطيب) سندھی نے اس کے رجال کو ثقہ کہا۔ محمد مدنی نے اس کی سند کو قوی فرمایا۔ اس حدیث پر دو اعتراض کئے جاتے ہیں۔

ایک یہ کہ یہ حدیث ابن ابی شیبہ میں نہیں۔ علامہ حیات سندھی نے اپنے رسالہ میں لکھا ہے کہ میں نے مصنف کا نسخہ دیکھا۔ اس میں یہ حدیث ہے لیکن تحت السرۃ (ناف کے نیچے) کا لفظ نہیں۔

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اس حدیث میں علقمہ اپنے باپ سے روایت کرتا ہے حالانکہ اس کو اپنے باپ سے سماع نہیں۔

پہلے اعتراض کا جواب: معترض نے صرف علامہ حیات سندھی کی شہادت وہ بھی عدم وجدان کی پیش کی۔ میں کہتا ہوں ممکن ہے علامہ حیات کو یہ لفظ نہ ملا ہو۔ یا جس نسخہ میں انہوں نے دیکھا وہاں سہو کاتب سے رہ گیا ہو۔ ہم اس لفظ کے موجود

ہونے پر دو شہادتیں پیش کرتے ہیں۔ وہ بھی اثبات پر کہ مثبت نافی پر مقدم ہوتا ہے۔

حافظ قاسم بن قطلو بغا تخريج أحاديث الاختيار شرح المختار میں اس حدیث کو بحوالہ مصنف ابن ابی شیبہ لکھ کر فرماتے ہیں:۔

هذا سند جيد. یہ سند جید ہے۔

علامہ نیموی مزید فرماتے ہیں:

قال العلامة محمد أبو الطيب المدني في شرح الترمذي هذا حديث قوي من حيث السند وقال الشيخ عابد السندي في طوالع الأنوار رجاله ثقات. (آثار السنن: ۷۰)

علامہ مدنی شرح ترمذی میں فرماتے ہیں کہ یہ حدیث من حیث السند قوی ہے۔ شیخ عابد سندھی طوالع الانوار میں فرماتے ہیں کہ اس کے راوی سب ثقہ ہیں۔ دیکھئے حافظ قاسم بن قطلو بغا جو کہ علامہ ابن الہمام کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں جو فن حدیث وفقہ میں متبحر تھے اس حدیث کو ابن ابی شیبہ کے حوالہ سے لکھ کر اس کی سند کو جید فرماتے ہیں۔ علامہ نیموی مزید عابد سندھی کی شہادت بھی پیش کرتے ہیں۔ پھر بھی معترضین کو انکار ہے۔

اور سنئے علامہ قائم سندھی اپنے رسالہ فوز الکرام میں فرماتے ہیں:۔

إن القول يكون هذه الزيادة غلطا مع جزم الشيخ قاسم بعزوها إلى المصنف ومشاهدتي إياها في نسخة ووجودها في نسخة في خزانة الشيخ عبدالقادر المفتي في الحديث والأثر لا يليق بالانصاف قال و رأيته بعيني في نسخة صحيحة عليها الأمارات المصححة وقال فهذه الزيادة في أكثر نسخ صحيحة.

(آثار السنن ص ۷۱)

کہ یہ کہنا کہ زیادت تحت السرہ غلط ہے انصاف نہیں۔ باوجود اس کے کہ شیخ قاسم نے یقینی طور پر اس کو مصنف کی طرف نسبت کیا اور میں نے بھی اس زیادت کو ایک نسخہ میں دیکھا اور شیخ عبدالقادر مفتی حدیث کے خزانہ میں جو مصنف کا نسخہ ہے اس

میں بھی موجود ہے۔ میں نے اپنی آنکھوں سے ایک صحیح نسخہ میں جس میں علامات مصححہ تھیں اس زیادت کو دیکھا۔ یہ زیادت یعنی لفظ تحت السرہ اس حدیث میں مصنف کے اکثر نسخوں میں صحیح ہے۔

علامہ ظہیر احسن نیموی اپنے رسالہ درۃ الغرہ میں لکھتے ہیں کہ مدینہ منورہ کے قبہ محمودیہ میں جو کتب خانہ ہے اس میں مصنف کا نسخہ ہے۔ اس میں بھی لفظ تحت السرہ اس حدیث میں موجود ہے۔

اب انصاف فرمایئے کہ علامہ قاسم بن قطلو بغا نے مصنف میں اس حدیث کو بلفظ تحت السرہ دیکھا۔ پھر علامہ قائم سندھی نے اپنے دیکھنے کی شہادت دی اور مصنف کا پتا بھی بتایا۔ پھر علامہ ظہیر احسن نیموی نے بھی دیکھا اور قبہ محمودیہ میں پتا بھی دیا۔ ان کی چشم دید شہادت کے بعد بھی اگر کوئی یہی کہتا جائے کہ مصنف ابن ابی شیبہ میں اس حدیث میں یہ لفظ نہیں تو اس ہٹ دھرمی کا کیا علاج ہو سکتا ہے؟ علامہ حیات کا یہ کہنا کہ شاید کاتب کی نظر چوک گئی ہو اور اس نے نخعی کے اثر کا یہ لفظ حدیث مرفوع میں لکھ دیا ہو ہم کہتے ہیں کہ یہ ہو سکتا ہے اگر صرف ایک ہی نسخہ میں یہ لفظ ہو۔ جب اس لفظ کا اس حدیث میں مصنف کے اکثر نسخوں میں پایا جانا ثابت ہے تو یہ احتمال صحیح نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ سب کاتبوں کا اسی حدیث میں آ کر چوک جانا مانا نہیں جا سکتا۔ ہاں! یہ ہو سکتا ہے کہ جس نسخہ کو علامہ حیات نے دیکھا ہو اس میں کاتب کے سہو سے یہ لفظ رہ گیا ہو۔

دوسرے اعتراض کا جواب: علقمہ نے اپنے باپ سے سنا ہے اور یہی صحیح ہے۔ علقمہ کے بھائی عبدالجبار نے اپنے باپ سے نہیں سنا وہ اپنے باپ کی موت کے بعد پیدا ہوا ہے۔

ترمذی ابواب الحدود ص ۱۷۵ میں لکھتے ہیں:۔

سمعت محمدا يقول عبدالجبار بن وائل بن حجر لم يسمع من أبيه ولا أدركه يقال إنه ولد بعد موت أبيه بأشهر.

کہ میں نے امام بخاری سے سنا وہ فرماتے تھے کہ عبدالجبار بن وائل نے

اپنے باپ سے نہیں سنا اور نہ اس کو پایا۔ کہا جاتا ہے کہ وہ باپ کی موت کے کئی ماہ بعد پیدا ہوا۔

پھر چند سطر آگے صاف تصریح کرتے ہیں کہ:

علقمه بن وائل بن حجر سمع عن أبيه وهو أكبر من عبدالجبار بن وائل وعبدالجبار بن وائل لم يسمع عن أبيه.

یعنی علقمہ نے اپنے باپ سے سنا ہے وہ عبدالجبار سے بڑا ہے۔ عبدالجبار نے اپنے باپ سے نہیں سنا۔

نسائی ص ۱۰۵ باب رفع اليدين عند الرفع من الركوع میں ایک حدیث ہے جس میں علقمہ کہتے ہیں۔ حدثني أبي۔ اسی طرح بخاری کے جزء رفع یدین ص ۹ میں علقمہ حدثني أبي کہتا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ علقمہ کو اپنے باپ سے سماع حاصل ہے۔ کیونکہ تحدیث اکثر اہلحدیث کے نزدیک سماع پر دال ہے۔ اسی طرح صحیح مسلم ص ۱۷۳ ج ۱ اور ص ۶۱ ج ۲ میں علقمہ اپنے باپ سے تحدیث کرتا ہے۔ اگر حدیث علقمہ کی اپنے باپ سے مرسل ہوتی تو مسلم اس کو صحیح میں روائت نہ کرتا۔

شیخ عبدالحی لکھنوی القول الجازم ص ۱۸ میں بحوالہ انساب سمعانی لکھتے ہیں:

أبومحمد عبدالجبار بن وائل بن حجر الكندي يروي عن أمه عن أبيه وهو أخو علقمه ومن زعم أنه سمع أباه فقد وهم لأن وائل بن حجر مات وأمه حامل به و وضعته بعده بستة أشهر إنتهى.

یعنی عبدالجبار بن وائل اپنی ماں سے روائت کرتا ہے۔ وہ اس کے باپ سے اور وہ علقمہ کا بھائی ہے۔ جس نے یہ گمان کیا کہ عبدالجبار نے اپنے باپ سے سنا ہے اس نے وہم کیا۔ کیونکہ وائل بن حجر فوت ہوا تو عبدالجبار ماں کے پیٹ میں تھا۔ چھ مہینے والد کی وفات کے بعد پیدا ہوا۔

اور بحوالہ اسد الغابہ لکھا ہے: قيل إن عبدالجبار لم يسمع من أبيه کہ عبدالجبار نے اپنے باپ سے نہیں سنا۔ کہا ابن عبدالبر نے استیعاب میں وائل کے ترجمہ میں روى عنه كليب بن شهاب وأبناه عبدالجبار و علقمة ولم

يسمع عبدالجبار من أبيه فيما يقولون بينهما علقمه بن وائل انتهى۔

یعنی وائل سے کلیب بن شہاب نے اور وائل کے دونوں فرزندوں نے روائت کیا ہے۔عبدالجبار نے اپنے باپ سے نہیں سنا۔ان دونوں کے درمیان علقمہ بن وائل (واسطہ) ہے۔معلوم ہوا کہ جس نے اپنے باپ سے نہیں سنا وہ عبدالجبار ہے۔علقمہ نے اپنے باپ سے سنا ہے۔ابن حجر نے بیشک تقریب میں لکھا ہے کہ علقمہ نے اپنے باپ سے نہیں سنا لیکن ہم ابن حجر سے ہی دکھاتے ہیں کہ انہوں نے تلخیص الحبیر کے ص ۹۷ میں اور ص ۱۰۴ میں لکھا ہے ان عبدالجبار لم يسمع من ابيه کہ عبدالجبار نے اپنے باپ سے نہیں سنا۔

بلوغ المرام کے صفة الصلوۃ کے باب میں حدیث وائل ہے جس میں حضور ﷺ کے دائیں بائیں سلام پھیرنے کا ذکر ہے۔اخیر میں لکھتے ہیں رواہ ابوداؤد باسناد صحیح۔اس سند میں علقمہ اپنے باپ سے روائت کرتا ہے۔اگر ابن حجر کے نزدیک علقمہ نے اپنے باپ سے نہ سنا ہوتا تو اس حدیث کو ابن حجر صحیح نہ کہتا۔معلوم ہوا کہ ابن حجر کے نزدیک صحیح اور مختار یہی ہے کہ علقمہ نے اپنے باپ سے سنا ہے۔

اب ہم نہیں سمجھتے کہ غیر مقلدین کے پاس اس حدیث پر عمل نہ کرنے کی کونسی وجہ وجیہ ہے۔اگر وہ عمل نہیں کرتے تو نہ کریں۔مگر حضرات احناف رحمهم الله کو تو اس پر عمل نہ کرنے کی ترغیب نہ دیں۔

ابوداؤد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روائت ہے کہ آپ نے فرمایا:

اَلسُّنَّۃُ وَضْعُ الْکَفِّ تَحْتَ السُّرَّۃِ.

کہ ہتھیلی کا ہتھیلی پر ناف کے نیچے رکھنا سنت ہے۔

اس حدیث کو أبوداود. ابن أبي شيبه. أحمد. دارقطني. بيهقي نے روائت کیا ہے۔

اصول حدیث میں یہ مسئلہ مسلم ہے کہ صحابی جب کسی امر کو سنت کہے تو اس سے سنت نبوی مراد ہوتی ہے۔ابوداؤد نے اس حدیث پر سکوت کیا۔اور جس حدیث پر ابوداؤد سکوت کریں وہ ان کے نزدیک قابل حجت ہوتی ہے۔

امام نووی اذکار ص ۸ میں لکھتے ہیں: ما رواه أبوداود في سننه ولم يذكر ضعفه فهو عنده صحيح او حسن وكلاهما يحتج به في الأحكام.

یعنی ابوداؤد جس حدیث کو اپنے سنن میں روائت کریں اور اس کا ضعف بیان نہ کریں وہ ان کے نزدیک صحیح یا حسن ہوتی ہے۔اور احکام میں یہ دونوں قابل حجت ہیں۔

اس حدیث کے راوی عبدالرحمان بن اسحاق پر جتنی جروح ہیں سب مبہم اور غیر مفسر ہیں۔اصول حدیث میں یہ امر مسلم ہے کہ جرح مبہم مقبول نہیں۔دیکھو نووی شرح مسلم ص ۸ و الرفع و التکمیل ص ۸۔

حدیث وائل بن حجر جس میں ہاتھوں کا باندھنا آیا ہے ابن خزیمہ کے حوالہ سے بعض محدثین نے اس حدیث کو نقل کیا ہے۔کسی معتبر کتاب میں مجھے اس کی سند نہیں ملی۔حافظ ابن قیم اعلام الموقعین کے ص ۶ ج ۲ میں اس حدیث کا ذکر کر کے فرماتے ہیں لم يقل على صدره غير مؤمل بن إسماعيل. کہ مؤمل بن اسماعیل کے سوا اس حدیث میں على صدره کسی نے نہیں کہا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن خزیمہ کی سند میں بھی مؤمل بن اسماعیل ضرور ہے اور وہ ضعیف ہے۔ابوحاتم نے اس کو کثیر الخطا کہا، امام بخاری نے منکر الحدیث۔ابوزرعہ کہتے ہیں کہ اس کی حدیث میں خطا بہت ہے (میزان) علامہ مزی نے تہذیب الکمال میں حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں لکھا ہے:

قال غيره دفن كتبه وكان يحدث من حفظه فكثر خطائه

کہ اس کی کتابیں دفن کی گئیں۔وہ اپنے حفظ سے حدیث بیان کرتے تھے اس لئے ان سے بہت خطا واقع ہوئی۔

تہذیب التہذیب میں سلیمان بن حرب کا قول نقل کیا ہے:

وقد يجب على أهل العلم أن يقفوا عن حديثه فإنه يروي المناكير عن ثقات شيوخه و هذا أشد فلو كانت هذه المناكير عن الضعفاء لكنا نجعل له عذرا.

یعنی اہل علم پر واجب ہے کہ اس کی حدیث سے بچتے رہیں کیونکہ یہ شخص ثقات سے منکرات روائت کرتا ہے اور یہ بہت برا ہے۔ اگر ضعفاء سے مناکیر روائت کرتا تو اس کو معذور سمجھتے۔ (اور ضعفاء پر منکرات محمول کرتے)۔

حافظ ابن حجر فتح الباری جز ۲۱ ص ۹۶ میں فرماتے ہیں:

وكذلك مؤمل بن اسماعيل في حديثه عن الثوري ضعف.

کہ مؤمل بن اسماعیل جو ثوری سے روائت کرے اس میں ضعف ہے اور یہ حدیث اس نے ثوری سے ہی روائت کی ہے۔ چنانچہ بیہقی نے سنن کبریٰ میں اس حدیث کو بروائت مؤمل بن اسماعیل عن الثوری اخراج کیا ہے۔ اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ حدیث وائل بن حجر جو کہ ابن خزیمہ نے روائت کی ہے صحیح نہیں ہے۔

اسی طرح حدیث قبیصہ بن ہلب جس کو امام احمد نے مسند میں روائت کیا ہے صحیح نہیں۔ اس میں سماک بن حرب ہے جس کو شعبہ و ابن مبارک وغیرہما نے ضعیف کہا (اکمال) ابن مبارک نے سفیان سے نقل کیا کہ ضعیف ہے۔ امام احمد اس کو مضطرب الحدیث کہتے ہیں۔ صالح جزرہ ضعیف کہتا ہے۔ نسائی کہتا ہے کہ جب وہ منفرد ہو حجت نہیں (میزان) تو ثابت ہوا کہ سینہ پر ہاتھ باندھنے کی کوئی حدیث صحیح نہیں۔ وهذا هو الحق.

(نوٹ: ابن شیبہ کی ایک دوسری روایت میں تحت السرۃ کے الفاظ موجود ہیں۔ حدیث کا متن درج ذیل ہے:

عن أبي معشر عن ابراهيم قال: يضع يمينه على شماله في الصلوٰة تحت السرة.)

أخرجہ ابن ابی شیبۃ وحدیث رقم (۳۹۳۴)
(ضیاء المصطفیٰ قصوری)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆



حدیث ۱۸

عَنْ حُمَيْدِ الطَّوِيْلِ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا اسْتَفْتَحَ الصَّلٰوةَ قَالَ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَ تَعَالٰى جَدُّكَ وَلَا اِلٰهَ غَيْرُكَ.

(ابو داؤد: ۷۷۵، رواه الطبرانی فی کتابه المفرد فی الدعاء واسناده جيدة.)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ جب نماز شروع کرتے تو سبحانك اللّٰهم الى آخره پڑھتے۔ اس کو طبرانی نے روائت کیا۔

ترمذی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی ایسا ہی آیا ہے۔ ترمذی لکھتے ہیں کہ اکثر اہل علم تابعین وغیرہم کا اسی پر عمل ہے۔ حضرت عمر و عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے اسی طرح روائت کیا گیا ہے۔ ترمذی ابوداؤد، ابن ماجہ، طحاوی میں ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح آیا ہے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بغرض تعلیم سبحانكَ اللّٰهم بالجهر پڑھتے۔

جن روائتوں میں بجز سبحانك اللّٰهم کے دوسری دعائیں آئی ہیں وہ ہمارے نزدیک محمول بر تہجد ہیں۔ چنانچہ صحیح ابوعوانہ و نسائی میں اس کی تصریح بھی آئی ہے۔ یا محمول بر ابتداء امر۔ جیسا کہ شرح منیہ میں ابن امیر حاج نے فرمایا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بسم الله الرحمن الرحيم

حدیث ۱۹

عَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ وَأَبَابَكْرٍ وَعُمَرَ رضی اللہ تعالی عنہما كَانُوْا يَفْتَتِحُوْنَ الصَّلٰوةَ بِالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ.

(بخاری: ۷۳۴ رواہ وغیرھم)

حضرت انس ؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ اور حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما نماز الحمدللہ رب العالمین کے ساتھ شروع کرتے تھے۔

اس کو بخاری ومسلم نے روائت کیا۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ بسم اللہ نہیں پڑھتے تھے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ بسم اللہ بالجہر نہیں پڑھتے تھے۔ چنانچہ صحیح مسلم کی دوسری روائت میں اس کی تشریح ہے۔ کہا انس نے فلم اسمع احدا منهم یقرء بسم اللہ الرحمن الرحیم یعنی میں نے کسی کو نہیں سنا کہ وہ بسم اللہ پڑھتا ہو۔ پھر دوسری حدیث میں اس کی صاف تصریح ہے۔ جس کو نسائی نے روائت کیا۔ فلم أسمع أحدا منهم يجهر ببسم الله الرحمن الرحيم کہ میں نے ان میں سے کسی کو نہیں سنا کہ بسم اللہ جہر سے پڑھتے ہوں۔ تو معلوم ہوا کہ بسم اللہ پڑھنے کی نفی نہیں۔ بلکہ اونچی پڑھنے کی نفی ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بسم الله الرحمن الرحيم

حدیث ۲۰

عَنْ أَبِيْ مُوْسىٰ قَالَ عَلَّمَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ قَالَ إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلٰوةِ فَلْيَؤُمَّكُمْ أَحَدُكُمْ وَإِذَا قَرَأَ الْإِمَامُ فَأَنْصِتُوْا.

(رواه أحمد، ۱۹۳۵۰ ومسلم)

ابوموسی اشعری ؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ہمیں سکھایا کہ جب تم نماز کے لئے اٹھو تو چاہئے کہ تم میں سے ایک تمہارا امام بنے اور جب امام پڑھے تو تم چپ رہو۔

اس کو امام احمد ومسلم نے روائت کیا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قرأت امام کا حق ہے۔ اور مقتدی کو خاموش رہنے کا حکم ہے۔ یہ حدیث قرآن کریم کی تفسیر ہے۔ اللہ تعالی فرماتا ہے:

﴿وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهُ وَأَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾

(الاعراف: ۲۰۴)

کہ جب قرآن پڑھا جائے تو تم کان لگاؤ اور چپ رہو تا کہ تم رحم کئے جاؤ۔ اس آئت سے یہ معلوم نہیں ہوتا تھا کہ پڑھنے والا کون ہو۔ حدیث مذکور نے یہ بیان کردیا کہ وہ پڑھنے والا امام ہے۔ جب امام قرآن پڑھے تو تم خاموش رہو۔ معلوم ہوا کہ مقتدی فاتحہ خلف الامام نہ پڑھے۔ یہی صحیح ہے۔ ابو ہریرہ ؓ نے بھی اس حدیث کو روائت کیا۔ فرمایا رسول کریم ﷺ نے:

انما جعل الامام ليؤتم به فاذا كبر فكبروا واذا قرء فانصتوا.

(ابوداؤد: ۶۰۳، ابن ماجہ: ۸۴۶، نسائی: ۹۲۰، ۹۱۹)

اس کو ابوداؤد ابن ماجہ نسائی وغیرہم نے روائت کیا۔ یہ حدیث بھی صحیح ہے۔ اس کو مسلم نے بھی صحیح کہا ہے۔ ترجمہ: امام اس لئے بنایا گیا ہے کہ اس کا اقتدا کیا جائے۔ جب وہ تکبیر کہے تو تم تکبیر کہو۔ جب وہ پڑھے تو تم چپ رہو۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حدیث ۲۱

عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ كَانَ لَهٗ اِمَامٌ فَقِرَاۃُ الْاِمَامِ لَهٗ قِرَاۃٌ.

(رواہ الحافظ أحمد بن منیع فی مسندہ ومحمد فی المؤطا و الطحاوی والدارقطنی:۱۴۸۲، و البیهقی فی سننه الکبری: ۲۹۵۶ و ابن ماجه: ۸۸۰)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روائت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جس شخص کے لئے امام ہو تو امام کا پڑھنا اسی کا پڑھنا ہے۔

یعنی امام کی قرائت مقتدی ہی کی قرائت ہے۔ مقتدی کو خود قرآن میں سے کچھ نہ پڑھنا چاہئے۔ یہ حدیث بھی صحیح ہے۔ اس کے سب راوی ثقہ ہیں۔

حدیث لاصلوٰۃ جس کو بخاری و مسلم نے روائت کیا وہ امام اور منفرد کیلئے ہے اس حدیث کی ایک روائت میں فصاعدا بھی آیا ہے یعنی الحمد اور کچھ زیادہ کے سوا نماز نہیں۔ تو اگر یہ حدیث مقتدی کو بھی عام ہو تو لازم آتا ہے کہ علاوہ فاتحہ کے مقتدی پر سورۃ بھی واجب ہو اور اسکا کوئی قائل نہیں۔ معلوم ہوا کہ یہ حدیث امام اور منفرد کے لئے ہے۔ ابوداؤد میں سفیان جو اس حدیث کے راوی ہیں فرماتے ہیں لمن یصلی وحدہ کہ یہ حدیث اس شخص کے لئے ہے جو اکیلا نماز پڑھے یعنی مقتدی کے لئے نہیں۔

حدیث عبادہ رضی اللہ عنہ جس میں نماز فجر کا قصہ ہے وہ ضعیف ہے۔ کسی روائت میں مکحول ہے جو مدلس ہے۔ اور معنعن روائت کرتا ہے۔ مدلس کی معنعن قابل حجت

نہیں ۔ اگر کسی روائت میں اپنے شیخ سے تحدیث بھی کرتا ہے تو شیخ الشیخ سے بلفظ عن روائت کرتا ہے اور اصول حدیث میں لکھا ہے کہ مدلس کبھی شیخ الشیخ کو بھی ساقط کرتا ہے۔ اس لئے حجت نہیں اور کسی روائت میں نافع بن محمود ہے جو مستور الحال ہے۔ کسی روائت میں مکحول عن عبادہ ہے جو مرسل ہے۔ الغرض کوئی روائت صحیح نہیں۔ اس مسئلہ کی اگر زیادہ تفصیل دیکھنا ہو تو کتاب الدلیل المبین فی ترک القرائۃ للمقتدین مؤلفہ جناب محمد حسن فیض پوری میں دیکھئے۔ جو مؤلف کے صاحبزادہ سے مل سکتی ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بلند آواز سے آمین کہنا

حدیث ۲۲

عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ إِذَا قَالَ الْإِمَامُ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَاالضَّآلِیْنَ فَقُوْلُوْا آمِیْن فَإِنَّه مَنْ وَافَقَ قَوْلَه قَوْلَ الْمَلٰئِكَةِ غُفِرَ لَه مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِه.

(رواہ البخاری: ٧٧٤، ٤٣٦١)

ابو ہریرہ ؓ سے روائت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جب امام غیر المغضوب علیهم ولاالضالین کہے تو تم آمین کہو۔ کیونکہ جس کی آمین ملائکہ کی آمین کیساتھ موافق ہوگئی اس کے پچھلے گناہ معاف ہو گئے۔

اس کو بخاری نے روائت کیا۔ اس روائت سے معلوم ہوا کہ آمین اخفا کے ساتھ کہنی چاہئے۔ کیونکہ اگر وہ جہر ہوتی تو آپ یوں نہ فرماتے جب امام ولاالضالین کہے تم آمین کہو بلکہ یوں فرماتے کہ جب امام آمین کہے تو تم آمین کہو۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جمہور محدثین نے اذا امن کے معنی اذا اراد التامین کے ہیں۔ یعنی جب امام آمین کہنے کا ارادہ کرے تو تم آمین کہو۔ اور وہ ارادہ ولاالضالین ختم کرنا ہے۔ جمہور نے یہ معنی جمع بین الحدیثین کے لئے کئے ہیں۔ تو جب اس

حدیث کے معنی إذا أراد التامين ہوئے تو اس سے جہر آمین ثابت نہیں ہوتا۔

علاوہ اس کے ایک دوسری حدیث میں جس کو امام احمد نسائی دارمی نے روائت کیا ہے آیا ہے فان الامام یقول آمین کہ امام بھی آمین کہتا ہے۔اس سے بھی معلوم ہوا کہ آمین بالجہر نہ تھی۔ اگر جہر ہوتی تو امام کے فعل کے اظہار کی ضرورت نہ پڑتی۔

اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ مقتدی فاتحہ نہ پڑھے۔ کیونکہ اگر مقتدی پر فاتحہ لازم ہوتا تو آپ فرماتے جب تم غیر المغضوب علیہم ولا الضالین پڑھو تو آمین کہو۔ بلکہ یوں فرمایا کہ جب امام ولا الضالین کہے تو تم آمین کہو۔ معلوم ہوا کہ فاتحہ کا پڑھنا امام پر ہی لازم تھا۔ دوسری حدیث میں اور بھی تصریح فرمادی کہ اذا امن القاری فامنوا ۔ جب قرائت پڑھنے والا آمین کا ارادہ کرے تو تم بھی آمین کہو۔ پس اگر مقتدی بھی قاری ہوتا تو آپ صرف امام کو قاری نہ فرماتے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بلند آواز سے آمین کہنا

حدیث۲۳

عَنْ وَائِلِ بْنِ حَجَرٍ أَنَّهُ صَلَّى مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَلَمَّا بَلَغَ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَاالضَّآلِّيْنَ قَالَ اٰمِيْن اخفٰى بها صَوْتَهُ.

(رواه الحاكم :٢٩٦٤، والطبراني و الدارقطني:١٢٥٠، وأبو يعلى وأحمد:١٨٤٩٩)

وائل بن حجر سے روائت ہے کہ اس نے رسول کریم ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی۔ حضور ﷺ جب غیر المغضوب علیھم ولاالضالین کو پہنچے تو آپ نے پوشیدہ آواز سے آمین کہی۔

اس حدیث کو حاکم ،طبرانی ،دار قطنی ،ابویعلیٰ اور امام احمد نے روائت کیا۔
یہ حدیث آمین کے اخفا میں نص ہے۔اس کی سند صحیح ہے۔

حدیث سمرہ بن جندب ﷺ اس کی تائید کرتی ہے کہ جب وہ نماز پڑھاتے تو دو بار خاموش ہوتے۔ایک بار جب نماز شروع کرتے دوسری بار جب ولا الضآلین کہتے۔لوگوں نے اس پر انکار کیا تو انہوں نے ابی بن کعب کو لکھا۔حضرت ابی بن کعب نے جواب میں لکھا کہ سمرہ جیسے کرتا ہے ٹھیک ہے۔اس حدیث کو دار قطنی واحمد نے

بسند صحیح روائت کیا۔ ابوداؤد کی روائت میں سمرہ بن جندب نے ان دونوں سکتوں کو رسول کریم ﷺ سے بیان کیا۔ ظاہر ہے کہ پہلا سکتہ ثنا کے لئے تھا اور دوسرا جو ولا الضالین کے بعد ہوتا وہ آمین کہنے کے لئے تھا۔ معلوم ہوا کہ آمین پوشیدہ تھی۔ اس حدیث کی سند آثار السنن میں صالح لکھی ہے۔

امام طحاوی ابووائل سے روائت کرتے ہیں کہ حضرت عمر و علی رضی اللہ عنہما بسم اللہ شریف اور اعوذ اور آمین جہر نہیں کرتے تھے۔ طبرانی کبیر میں ابووائل سے روائت کرتے ہیں کہ حضرت علی و عبداللہ (بن مسعود) رضی اللہ عنہما بسم اللہ اور اعوذ اور آمین بلند آواز سے نہیں کہتے تھے۔ جوہر النقی میں بحوالہ ابن جریر طبری ابووائل سے روائت ہے کہ حضرت عمر و علی رضی اللہ عنہما بسم اللہ اور آمین اونچی نہیں کہتے تھے۔

حدیث وائل بن حجر پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ اس میں شعبہ نے تین خطائیں کیں۔ اول یہ کہ اس نے حجر ابی العنبس کہا ہے حالانکہ وہ حجر بن عنبس ہے۔ جس کی کنیت ابوالسکن ہے۔ دوسرا یہ کہ شعبہ نے اس حدیث میں علقمہ بن وائل کو زیادہ کیا ہے۔ حالانکہ حجر بن عنبس عن وائل بن حجر صحیح ہے۔ تیسرا یہ کہ اس نے خفض بها صوته کہا ہے حالانکہ مد بها صوته ہے۔ اور یہ بھی اعتراض کیا جاتا ہے کہ علقمہ نے اپنے باپ سے نہیں سنا۔ بلکہ وہ اپنے باپ کی موت کے چھ مہینے بعد پیدا ہوا۔

پہلے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ حجر بن عنبس کی کنیت ابوالعنبس بھی ہے اور ابوالسکن بھی۔ ایک شخص کی دو کنیتیں ہونا بعید نہیں ہے۔ ابن حبان کتاب الثقات میں فرماتے ہیں۔

حجر بن عنبس ابوالسكن الكوفي وهو الذي يقال له حجر ابو العنبس يروى عن علي و وائل بن حجر روى عنه سلمة بن كهيل انتهى۔

(آثار السنن ص ٩٦)

حجر بن عنبس ابوالسکن کوئی وہ ہیں جنہیں ابوالعنبس بھی کہا جاتا ہے۔ ابوداؤد نے آمین کے باب میں ثوری سے بھی حجر بن عنبس کی کنیت ابوالعنبس نقل کی

ہے۔ بیہقی نے سنن میں بھی ایسا ہی لکھا ہے۔ دارقطنی نے تو وکیع اور محاربی سے بھی نقل کیا ہے کہ انہوں نے ثوری سے اس کی کنیت ابوالعنبس روائت کی۔ کشف الاستار عن رجال معانی الآثار میں بھی ایسا ہی لکھا ہے۔ معلوم ہوا کہ حجر بن عنبس کی کنیت ابوالعنبس بھی ہے۔ اس میں شعبہ کی خطا نہیں ہے۔ نہ شعبہ اس میں متفرد ہے۔ بلکہ محمد بن کثیر اور وکیع اور محاربی بھی یہی نقل کرتے ہیں۔

دوسرے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ بعض روایات میں تصریح یہ ہے کہ حجر بن عنبس نے علقمہ سے بھی سنا ہے اور خود وائل سے بھی اس حدیث کو سنا ہے۔ چنانچہ امام احمد نے اپنے مسند میں روائت کیا ہے۔

عن حجر أبي العنبس قال سمعت علقمه بن وائل يحدث عن وائل وسمعت من وائل قال صلى بنا رسول الله ﷺ (الحديث)

ابوداؤد طیالسی نے بھی ایسا ہی روائت کیا ہے۔ ابومسلم کجی نے بھی اپنے سنن میں ایسا ہی روائت کیا ہے۔ (آثار السنن)

تو معلوم ہوا کہ شعبہ نے اس میں بھی خطا نہیں کیا۔ کیونکہ حجر نے یہ حدیث علقمہ سے بھی سنی اسلئے اس نے علقمہ کا ذکر کیا۔ اور وائل سے بھی سنی۔ اسلئے کسی وقت علقمہ کا ذکر نہیں کیا۔ اور حدیث ۱۷ میں ہم مفصل ذکر کر آئے ہیں کہ علقمہ نے اپنے باپ سے سنا ہے فلا نعيده۔

رہی یہ بات کہ سفیان مدّ بها صوته کہتا ہے اور شعبہ خفض بها کس کی روائت کو ترجیح ہوگی۔ میں کہتا ہوں کہ شعبہ کی روائت کو ترجیح ہے۔ اس لئے کہ شعبہ تدلیس کو اچھا نہیں سمجھتے تھے بلکہ فرماتے تھے کہ میں آسمان سے گر کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جاؤں تو اس سے بہتر ہے کہ میں تدلیس کروں (تذکرۃ الحفاظ) اور سفیان ضعفاء سے بھی تدلیس کیا کرتے تھے۔ تو شعبہ کی روائت میں تدلیس کا شبہ نہیں اسلئے اس کو ترجیح ہوگی۔ اور سفیان کی روائت میں تدلیس کا شبہ ہے۔ دوسری وجہ ترجیح یہ ہے کہ آمین دعا ہے اور اصل دعا میں اخفا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً﴾

اور اکثر صحابہ وتابعین آمین خفیہ کہتے تھے۔ جیسا کہ جوہر النقی ص ۱۳۲ میں ہے اس لئے شعبہ کی روایت راجح ہوگی۔

نیز حدیث مد بها صوته کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ آپ آمین کو بہ لغت مد پڑھتے تھے نہ قصر۔ علاوہ اس کے آمین کی ایک حد بھی حدیث میں آئی ہے وہ حتی سمع من یلیه من الصف الأول ہے۔ کہ صف اول کے وہ لوگ جو حضور ﷺ کے متصل تھے انہوں نے آپ کی آمین کی آواز سن لی۔ اور یہ بھی تعلیم کیلئے تھا۔ چنانچہ ابن قیم نے زاد المعاد میں تصریح کی ہے اور ابو بشر دولابی نے ایک حدیث بھی روائت کی ہے جس میں خود وائل فرماتے ہیں ما اراه الا یعلمنا کہ میرے گمان میں حضور ﷺ نے تعلیم کے لئے آواز دراز فرمائی۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ حضور ﷺ کے مقتدیوں کا آمین بالجہر ہرگز ثابت نہیں۔ تو آج کل مدعیان عمل بالحدیث کا امام کے پیچھے زور سے آمین کہنا محض بے دلیل ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

رفع یدین

حدیث ۲۴

عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ مَالِيْ أَرَاكُمْ رَافِعِيْ أَيْدِيْكُمْ كَأَنَّهَا أَذْنَابُ خَيْلٍ شُمُسٍ اُسْكُنُوْا فِي الصَّلٰوةِ۔

(رواہ مسلم: ۹۱۹)

جابر بن سمرہ سے روایت ہے کہا اس نے نکلے ہم پر رسول کریم ﷺ اور فرمایا کیا ہے مجھے کہ میں تجھے رفع یدین کرتا ہوا دیکھتا ہوں گویا کہ سرکش گھوڑوں کے دم ہیں۔ نماز میں آرام کیا کرو۔

اس کو مسلم نے روائت کیا۔

اس حدیث میں ظاہر ہے کہ حضور ﷺ نے صحابہ کو نماز میں رفع یدین کرتے ہوئے دیکھا اور منع فرمایا۔ جس سے ثابت ہوا کہ رفع یدین سنت نہیں بلکہ منسوخ ہے۔ یہ جو بعض کہتے ہیں کہ اس حدیث میں بوقت سلام رفع یدین کرنے کی ممانعت ہے صحیح نہیں۔ وہ حدیث جس میں بوقت سلام اشارہ کرنے کی ممانعت ہے دوسری ہے۔ ان دونوں حدیثوں میں فرق ہے۔ اس حدیث میں رفع یدین کا ذکر ہے دوسری میں رفع یدین کا ذکر نہیں۔ بلکہ ایماء بالیدین کا ذکر ہے۔ کسی روائت میں

تومون ہے کسی میں تشیرون ۔ نیز اس حدیث میں اسکنوا فی الصلوٰۃ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ رفع یدین نماز میں تھا جس کی ممانعت ہوئی اور سکون کا حکم فرمایا۔ دوسری حدیث میں یہ لفظ ہی نہیں کیونکہ سلام نماز کا مظروف نہیں ۔ تو اشارہ بالیدین بوقت سلام بھی مظروف نماز نہیں ۔ اور اس حدیث میں حضور ﷺ کے ساتھ نماز پڑھنے کا ذکر نہیں اور دوسری حدیث میں حضور ﷺ کے ساتھ نماز پڑھنے کا ذکر ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ دونوں حدیثیں الگ الگ ہیں ۔ یہ حدیث رفع یدین کی ممانعت میں ہے۔ دوسری بوقت سلام اشارہ بالیدین کی ممانعت میں ان دونوں حدیثوں کو ایک سمجھنا باوجود اس اختلاف کے جو ہم نے ذکر کیا ہے خوش فہمی ہے۔

اعتراض: عیدین اور وتروں میں ہاتھ اٹھائے جاتے ہیں تو اس حدیث کی رو سے وہ بھی منع ہونے چاہئیں۔

جواب: عیدین اور وتروں کے لئے کچھ ایسی خصوصیات ہیں جو کہ دوسری نمازوں میں نہیں۔ مثلاً عیدین کے لئے شہر کا شرط ہونا۔ اور شہر سے باہر نکل کر عید پڑھنا خطبہ نماز عید کے بعد پڑھنا۔ وتر کا طاق ہونا۔ دعا قنوت پڑھنا۔ تو اسی طرح رفع یدین جو عیدین یا وتروں میں کیا جاتا ہے۔ وہ بھی ان دونوں نمازوں کی خصوصیات سے ہے۔

علاوہ اس کے جس نماز کو حضور ﷺ نے دیکھ کر صحابہ کو رفع یدین سے منع فرمایا وہ نماز عید نہ تھی اگر عید ہوتی تو حضور ﷺ خود امام ہوتے اور نماز وتر بھی نہ تھی۔ کیونکہ وتروں میں جماعت اور ان کا مسجد میں ادا کرنا آپ کی اور صحابہ کرام کی عادات مستمرہ سے نہ تھا۔ بلکہ گھروں میں اکیلے کیلئے پڑھنے کی عادت تھی۔ تو معلوم ہوا کہ وہ بھی رفع یدین عند الرکوع والرفع عنه تھا جو حضور ﷺ کے اس حدیث کے فرمانے سے منسوخ ہوا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حدیث ۲۵

عَنْ عَلْقَمَةَ قَالَ، قَالَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ مَسْعُوْدٍ ؓ أَلَا أُصَلِّيْ بِكُمْ صَلٰوةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ فَصَلّٰى وَ لَمْ يَرْفَعْ يَدَيْهِ إِلَّا مَرَّةً.

(ابوداؤد: ۷۴۸)

علقمہ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعود ؓ نے فرمایا کہ میں تمہیں رسول اللہ ﷺ کی نماز پڑھ کر نہ دکھاؤں؟ پھر نماز پڑھی اور ایک بار (تحریمہ) کے سوا ہاتھ نہ اٹھائے۔

اس حدیث کو ابوداؤد، ترمذی ونسائی نے روائت کیا۔ ترمذی نے اس کو حسن کہا اور فرمایا کہ اس حدیث پر بہت صحابہ وتابعین کا عمل ہے۔ اور سفیان ثوری اور اہل کوفہ کا یہی قول ہے۔ اس حدیث کے سب راوی ثقہ ہیں۔ ابن حزم نے اس کو صحیح کہا ہے۔ بعض محدثین نے عاصم بن کلیب پر کچھ کلام کیا ہے۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ وہ ثقہ ہے۔ نسائی اور یحیٰی بن معین نے اس کو ثقہ کہا مسلم نے صحیح میں اس کی روائت کی۔ ابن حبان نے اس کو ثقات میں ذکر کیا۔ ابوحاتم نے اسے صالح کہا و البسط في ترويح العينين للعلامه الفيض بوری امام طحاوی حضرت عمر ؓ سے بسند صحیح روائت کرتے ہیں کہ بجز تکبیر تحریمہ کے وہ رفع یدین نہیں کرتے تھے۔ اسی طرح حضرت علی ؓ سے بسند صحیح امام طحاوی وابن ابی شیبہ نے روائت کیا کہ وہ پہلی تکبیر کے وقت رفع یدین کرتے تھے۔ پھر نہیں کرتے تھے۔ اسی طرح عبداللہ بن مسعود ؓ بھی رفع یدین

نہیں کرتے تھے۔

الحاصل خلفاء اربعہ ﷺ سے بھی رفع یدین بسند صحیح ثابت نہیں۔ اگر یہ فعل سنت ہوتا تو خلفاء اربعہ کا اس پر ضرور عمل ہوتا۔ معلوم ہوا کہ سنت نہیں۔ دیکھو بخاری کی حدیث میں آتا ہے:

- كان رسول الله ﷺ يصلي وهو حامل أمامة.

کہ حضور ﷺ امامہ کو (جو آپ کی نواسی تھیں) اٹھا کر نماز پڑھتے تھے۔

یہاں بھی كان يصلى ہے۔ اور رفع یدین کی حدیث میں بھی كان يصلى ہے۔ اگر رفع یدین ہر نماز میں سنت ہے تو نواسی کو اٹھانا بھی ہر نماز میں سنت ہونا چاہئے۔ تو ان مدعیان عمل بالحدیث کیلئے لازم ہے کہ ہر نماز میں اپنی نواسی یا کم سے کم لڑکی کو اٹھا کر نماز پڑھیں۔ کیونکہ حضور ﷺ سے ثابت ہے۔ بلکہ رفع یدین کے بارہ میں تو نہ کرنے کی بھی حدیث آئی ہے لیکن لڑکی کو اٹھانے کی نہ ممانعت آئی ہے نہ کسی حدیث میں آیا ہے کہ فلاں نماز میں آپ نے کسی لڑکی کو نہیں اٹھایا۔ فما هو جوابكم فهو جوابنا؟

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حدیث ۲۶

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ ﷺ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ إِذَا قَالَ الْإِمَامُ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ فَقُوْلُوْا اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ فَإِنَّهُ مَنْ وَافَقَ قَوْلُهُ قَوْلَ الْمَلٰئِكَةِ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ.

(مسلم: ۸۶۴: بخاری: ۷۸۸، ۳۱۵۸)

ابو ہریرہ ﷺ سے روایت ہے فرمایا رسول کریم ﷺ نے جب امام سمع الله لمن حمده کہے تو تم اللهم ربنا لك الحمد کہو۔ بیشک جس شخص کا قول فرشتوں کے قول کے موافق ہو اس کے اگلے سب گناہ بخشے جاتے ہیں۔

اس کو بخاری و مسلم نے روایت کیا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مقتدی صرف ربنا لك الحمد کہے۔ اسے سمع الله لمن حمده کہنے کی ضرورت نہیں۔ سمع اللہ کہنا امام کا وظیفہ ہے۔

عامر شعبی نے پانچ سو صحابہ کی زیارت کی۔ وہ فرماتے ہیں:

لَا يَقُوْلُ الْقَوْمُ خَلْفَ الْإِمَامِ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ وَلٰكِنْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ. (اخرجه ابوداؤد) کہ امام کے پیچھے مقتدی سمع الله نہ کہیں۔ وہ صرف ربنا لك الحمد کہیں اس کو ابوداؤد نے روایت کیا۔ اور احادیث میں جو دعاء ربنا لك الحمد سے زیادہ آئی ہے وہ یا تو اس حدیث سے پہلے پر محمول ہے یا حالت انفراد پر یا تطوع پر محمول ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حدیث ۲۷

عَنْ وَائِلِ بْنِ حَجَرٍ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ إِذَا سَجَدَ وَضَعَ رُكْبَتَيْهِ قَبْلَ يَدَيْهِ وَإِذَا نَهَضَ رَفَعَ يَدَيْهِ قَبْلَ رُكْبَتَيْهِ .

(الترمذی:۲٦٥، الدارمی:۱۳۲۵، أبو داؤد:۸۳۷، النسائی:۹۷٦ وابن خزیمہ:٦۲٦ وابن حبان:۱٥٦۲)

وائل بن حجر کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو دیکھا جب سجدہ کرتے اپنے گھٹنوں کو ہاتھوں کے پہلے رکھتے۔ اور جب اٹھتے تو ہاتھوں کو پہلے اٹھاتے۔

اس کو ترمذی۔ نسائی۔ ابوداؤد وابن ماجہ وغیرہم نے روائت کیا۔ ترمذی نے اس کو حسن کہا۔ علامہ عبدالحی نے حاشیہ شرح وقایہ میں اس کی سند کو قوی فرمایا۔ ابن حبان نے اس کو صحیح کہا جمہور اہل علم کا اسی حدیث پر عمل ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حدیث ۲۸

عَنْ عَبَّاسِ بْنِ عَبْدِالْمُطَّلِبِ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ إِذَا سَجَدَ الْعَبْدُ سَجَدَ مَعَهُ سَبْعَةُ آرَابٍ وَجْهُهُ وَكَفَّاهُ وَرُكْبَتَاهُ وَقَدَمَاهُ .

(رواہ الترمذی: ۲٦۹)

عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ سے روائت ہے انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو سنا فرماتے تھے جب بندہ سجدہ کرتا ہے تو اس کے ساتھ سات اعضاء سجدہ کرتے ہیں۔ ایک منہ اور اس کے دونوں ہاتھ اور دونوں زانو اور دونوں قدم۔

اس حدیث کو ترمذی نے روائت کیا اور کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ اور اہل علم کا اسی پر عمل ہے۔ صحیح مسلم کی ایک روائت میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعا آیا ہے الجبهة والانف واليدين والركبتين والقدمين۔ وہ سات اعضاء پیشانی اور ناک اور دونوں ہاتھ اور دونوں زانو اور دونوں قدم آیا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ پیشانی اور ناک ایک عضو ہے۔ اگر صرف پیشانی رکھے تو بھی اور صرف ناک رکھے تو بھی سجدہ جائز ہو جائے گا۔ لیکن ایسا کرنا نہ چاہئے۔ پیشانی اور ناک دونوں لگانا چاہئے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بسم الله الرحمن الرحيم

حدیث ۲۹

عَنْ يَزِيْدَ بْنِ أَبِيْ حَبِيْبٍ: أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ مَرَّ عَلَى امْرَأَتَيْنِ تُصَلِّيَانِ، فَقَالَ: إِذَا سَجَدْتُمَا فَضُمَّا بَعْضَ اللَّحْمِ إِلَى الْأَرْضِ، فَإِنَّ الْمَرْأَةَ لَيْسَتْ فِيْ ذٰلِكَ كَالرَّجُلِ

(جامع الأحاديث و المراسيل: ١٤٥٢، بيهقي: ٣٢٦٨)

ابو داؤد مراسیل میں اور بیہقی سنن میں لائے ہیں کہ رسول کریم ﷺ دو عورتوں پر گزرے جو نماز پڑھ رہی تھیں تو آپ نے فرمایا إِذَا سَجَدْ تُمَا فَضُمَّا بَعْضَ اللَّحْمِ کہ جب تم سجدہ کرو تو اپنے بعض اعضاء کو زمین کے ساتھ چسپاں کرو۔ یعنی پیٹ رانوں کے ساتھ اور ہاتھ زمین کے ساتھ چمٹ جائیں۔ ایک دوسری حدیث میں بیہقی نے مرفوعاً روائت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جب عورت سجدہ کرے تو اپنے پیٹ کو اپنی رانوں کے ساتھ لگائے۔ جس سے زیادہ پردہ ہو۔ میں کہتا ہوں اگر چہ پہلی حدیث مرسل ہے اور یہ دوسری ضعیف مگر کوئی صحیح حدیث ایسی نہیں جس میں عورتوں کے مردوں کی طرح رانیں اٹھا کر سجدہ کرنے کا حضور ﷺ نے حکم دیا ہو۔ اور مرسل اکثر ائمہ کے نزدیک حجت ہے۔ اور دو مرفوع متصل حدیثیں اس کی تائید میں ہیں۔ نیز حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول بھی فلتضم فخذيها اور ابراہیم نخعی کا قول جو بیہقی نے نقل کیا ہے كانت المراة تؤمر اذا سجدت أن تلزق بطنها بفخذيها كيلا ترفع عجزتها ولا تجافى كما يجافى الرجل بھی اسی کا مؤید ہے۔

بسم الله الرحمن الرحيم

حدیث ۳۰

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَنْهَضُ فِي الصَّلٰوةِ عَلَى صُدُوْرِ قَدَمَيْهِ.

(رواه الترمذي: ٢٨٦)

''ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نماز میں اپنے قدموں کے کنارہ پر کھڑے ہوتے تھے۔''

اس کو ترمذی نے روائت کیا۔

اسی طرح ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ ابو مالک اشعری نے اپنی قوم کو جمع کیا اور فرمایا کہ سب مرد عورتیں جمع ہو جاؤ میں تمہیں رسول کریم ﷺ کی نماز سکھاتا ہوں۔ لوگ جمع ہو گئے تو آپ نے نماز شروع کی۔ الحمد اور سورت پڑھ کر رکوع کیا پھر قومہ کیا پھر تکبیر کہی اور سجدہ کرتے ہوئے گرے پھر تکبیر کہی تو سر اٹھایا پھر تکبیر کہی اور سجدہ کیا۔ پھر تکبیر کہی اور اٹھ کھڑے ہوئے یعنی جلسہ نہ کیا۔ اس کو امام احمد نے روائت کیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حدیث ۳۱

عَنْ وَائِلِ بْنِ حَجَرٍ قَالَ صَلَّیْتُ خَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَلَمَّا قَعَدَ وَتَشَهَّدَ فَرَشَ قَدَمَهُ الْیُسْرٰی عَلَی الْأَرْضِ وَ جَلَسَ عَلَیْهَا.

(رواہ الطحاوی)

وائل کہتے ہیں میں نے رسول کریم ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی جب آپ بیٹھے اور تشہد پڑھا تو آپ نے بایاں قدم زمین پر بچھایا اور اس پر بیٹھے۔

اس کو طحاوی نے روایت کیا۔ اسی طرح عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے آیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ نماز کی سنت میں یہ ہے کہ دایاں پاؤں کھڑا کیا جائے اور اس کی انگلیوں کا قبلہ رخ کرنا اور بائیں پاؤں پر بیٹھنا (نماز کی سنن میں سے ہے)۔ اس کو نسائی نے روایت کیا۔

جس حدیث میں قعدہ اخیرہ میں تورک آیا ہے وہ ہمارے علماء کے نزدیک حالت پیری پر محمول ہے یا کسی عذر پر یا بیان جواز کے لئے اور ہو سکتا ہے کہ سلام کے بعد آپ اس طرح بیٹھے ہوں۔ قالہ علی القاری فی المرقاۃ۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حدیث ۳۲

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ كُنَّا إِذَا صَلَّیْنَا مَعَ النَّبِیِّ ﷺ قُلْنَا اَلسَّلَامُ عَلَی اللّٰهِ قِبَلَ عِبَادِهٖ اَلسَّلَامُ عَلٰی جِبْرَائِیْلَ اَلسَّلَامُ عَلٰی مِیْكَائِیْلَ اَلسَّلَامُ عَلٰی فُلَانٍ وَ فُلَانٍ لَمَّا انْصَرَفَ النَّبِیُّ ﷺ أَقْبَلَ عَلَیْنَا بِوَجْهِهٖ قَالَ لَا تَقُوْلُوْا اَلسَّلَامُ عَلَی اللّٰهِ فَإِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّلَامُ فَإِذَا جَلَسَ أَحَدُكُمْ فِی الصَّلٰوةِ فَلْیَقُلْ اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّیِّبَاتُ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ أَیُّهَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِیْنَ فَإِنَّهٗ إِذَا قَالَ ذٰلِكَ أَصَابَ كُلَّ عَبْدٍ صَالِحٍ فِی السَّمَآءِ وَالْأَرْضِ أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ. متفق علیہ۔

(البخاری: ۷۰۸۴، مسلم: ۸۳۹)

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم جب رسول کریم ﷺ کے ساتھ نماز پڑھتے تھے تو کہتے تھے سلام ہو اللہ پر سلام ہو جبرائیل پر سلام ہو میکائیل پر سلام ہو فلاں پر۔ تو جب رسول کریم ﷺ نماز سے پھرے تو ہماری طرف منہ کر کے فرمایا یہ نہ کہا کرو کہ اللہ پر سلام ہو کیونکہ اللہ ہی سلام ہے۔ جب تمہارا کوئی نماز میں بیٹھے تو یہ پڑھے: التحیات لله والصلوات والطیبات السلام علیك أیها النبی ورحمة الله وبركاته السلام علینا وعلی عباد الله الصالحین أشهد أن لا إله إلا الله وأشهد أن محمدا عبده ورسوله. (اس حدیث کو بخاری و مسلم نے روایت کیا)

اس حدیث میں سرور عالم ﷺ نے سلام بلفظ خطاب سکھایا۔ اور حضور ﷺ کو معلوم تھا کہ لوگ نماز ہمیشہ میرے پاس ہی نہیں پڑھیں گے کوئی گھر میں کوئی سفر میں کوئی جنگل میں کوئی کسی جگہ کوئی کسی جگہ پڑھے گا اور ہر جگہ یہی لفظ بصیغہ خطاب پڑھا جائے گا۔ اگر حضور ﷺ کو سلام بصیغہ خطاب منع ہوتا تو آپ تشہد میں ہرگز اجازت نہ دیتے۔ اور یہ بھی ثابت ہو گیا کہ یہاں خطاب بطریق حکایت نہیں بلکہ بطریق انشاء ہے۔ کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا السلام علی عباد الله الصالحین کہنے سے سب صالحین کو یہ سلام پہنچے گا۔ اگر حکایت ہوتی تو حکائی سلام نمازی کی طرف سے کیسے ہو سکتا ہے۔ معلوم ہوا کہ حکائی نہیں بلکہ انشاء ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حدیث ۳۳

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا رسول کریم ﷺ نے:

إِذَا شَكَّ أَحَدُكُمْ فِي صَلَاتِهِ فَلْيَتَحَرَّ الصَّوَابَ فَلْيُتِمَّ عَلَيْهِ ثُمَّ يُسَلِّمْ ثُمَّ سَجَدَ سَجْدَتَيْنِ.

(البخاری: ۲۹۹، مسلم: ۱۲۲۶)

جب کسی کو نماز میں شک ہو تو صواب کا قصد کرے اور اس پر پورا کرے پھر سلام کہے اور دو سجدے (سہو) کے کرے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سجدہ سہو سلام کے بعد کرنا چاہیے۔ ابوداؤد میں حدیث ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ ہر ایک سہو کے دو سجدے ہیں بعد سلام کے، امام اعظم رحمہ اللہ کا یہی مذہب ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حدیث ۳۴

عن أبی أمامة قَالَ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! أَیُ الدُّعَاءِ أَسْمَعُ؟ قَالَ جَوْفِ اللَّيْلِ الْاٰخِرِ وَ دُبُرُ الصَّلَوَاتِ الْمَكْتُوْبَاتِ.

(الترمذی: ۳۶۳۷، سنن النسائی الکبری: ۹۸۳۰)

ابوامامہ کہتے ہیں کہا گیا یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کونسی دعا زیادہ سنی جاتی ہے۔ فرمایا پچھلی رات کے درمیان اور فرض نمازوں کے بعد۔ اس کو ترمذی نے روایت کیا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز کے بعد دعا مانگنا درست ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حدیث ۳۵

حدیث: حافظ ابوبکر بن السنی عمل الیوم واللیلة میں روایت کرتے ہیں فرمایا رسول کریم ﷺ نے:

مَا مِنْ عَبْدٍ يَبْسُطُ كَفَّيْهِ فِیْ دُبُرِ كُلِّ صَلٰوةٍ ثُمَّ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ إِلٰهِیْ وَإِلٰهَ إِبْرَاهِيْمَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوْبَ وَإِلٰهَ جِبْرِيْلَ وَمِيْكَائِيْلَ وَ إِسْرَافِيْلَ أَسْئَلُكَ أَنْ تَسْتَجِيْبَ دَعْوَتِیْ فَإِنِّیْ مُضْطَرٌّ وَ تَعْصِمَنِیْ فِیْ دِيْنِیْ فَإِنِّیْ مُبْتَلٰی وَتَنَالَنِیْ بِرَحْمَتِكَ فَإِنِّیْ مُذْنِبٌ وَتَنْفِیَ عَنِّیْ الْفَقْرَ فَإِنِّیْ مُتَمَسْكِنٌ إِلَّا كَانَ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ أَنْ لَّا يَرُدَّ يَدَيْهِ خَائِبَيْنِ۔

(جامع الاحادیث والمراسیل: ۱۹۸)

یعنی جو شخص ہر نماز کے پیچھے ہاتھ پسار کر یہ دعا پڑھے تو اللہ تعالیٰ پر لازم ہو جاتا ہے کہ اس کے ہاتھ خالی نہ پھیرے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا چاہئے۔ جو لوگ نماز کے بعد دعا نہیں مانگتے وہ محروم رہتے ہیں۔ نماز جنازہ بھی من وجہ نماز ہے۔ حدیث مذکور کا لفظ کل صلوٰۃ اس کو بھی شامل ہے۔ اسلئے نماز جنازہ کے بعد بھی ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا چاہئے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بسم الله الرحمن الرحيم

حدیث ۳۶

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِجْعَلُوْا أَئِمَّتَكُمْ خِيَارَكُمْ فَإِنَّهُمْ وَفْدُكُمْ فِيْمَا بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ اللّٰهِ.

(رواه الدار قطني:۱۸۵۲)

فرمایا رسول کریم ﷺ نے کہ اپنے امام برگزیدہ لوگوں کو بناؤ کہ وہ تمہارے اور تمہارے رب کے درمیان تمہارے ایلچی ہیں۔

اس کو دار قطنی نے روائت کیا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امام برگزیدہ ہونا چاہئے۔ اور ظاہر ہے کہ جن لوگوں کا عقیدہ صحیح نہیں وہابی ہو یا مرزائی، شیعہ ہو یا اہل قرآن وہ ہرگز برگزیدہ نہیں ہو سکتے۔ لہذا ان میں سے کسی کے پیچھے نماز نہیں پڑھنا چاہئے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بسم الله الرحمن الرحيم

حدیث ۳۷

عَنِ السَّائِبِ بْنِ خَلَّادٍ قَالَ إِنَّ رَجُلًا أَمَّ قَوْمًا فَبَصَقَ فِي الْقِبْلَةِ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَنْظُرُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لِقَوْمِهٖ حِيْنَ فَرَغَ لَا يُصَلِّيْ لَكُمْ فَأَرَادَ بَعْدَ ذٰلِكَ أَنْ يُصَلِّيَ لَهُمْ فَمَنَعُوْهُ فَأَخْبَرُوْهُ بِقَوْلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَذَكَرَ ذٰلِكَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ نَعَمْ وَحَسِبْتُ أَنَّهٗ قَالَ إِنَّكَ قَدْ اٰذَيْتَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ.

(أبو داؤد:۴۸۲، صحيح ابن حبان:۲۰۲۶)

سائب بن خلاد کہتے ہیں کہ ایک شخص نے ایک قوم کی امامت کی اور قبلہ کی طرف منہ کر کے تھوکا۔ رسول کریم ﷺ دیکھ رہے تھے۔ حضور ﷺ نے اس کی قوم کو فرمایا جب وہ فارغ ہوا کہ یہ تمہیں نماز نہ پڑھائے۔ پھر جب وہ نماز پڑھانے لگا تو لوگوں نے اسے منع کیا اور رسول کریم ﷺ کے فرمان کی اسے خبر دی۔ تو اس نے رسول کریم ﷺ کے پاس ذکر کیا۔ تو آپ نے فرمایا ہاں (میں نے منع کیا ہے)۔ راوی کہتا ہے میں گمان کرتا ہوں کہ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ تو نے اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دی۔

دیکھو قبلہ شریف کی طرف منہ کر کے تھوکنے کے سبب حضور ﷺ نے نماز کی امامت سے روک دیا۔ تو جو لوگ سر سے پاؤں تک بے ادب ہیں ان کے پیچھے نماز کیسے جائز ہے۔ پس وہابی مرزائی۔ رافضی۔ خارجی۔ اہل قرآن کسی کے پیچھے نماز پڑھنا درست نہیں ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حدیث ۳۸

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ كُنْتُ أَعْرِفُ انْقِضَاءَ صَلٰوةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ بِالتَّكْبِيْرِ.

(البخاری: ۱۷۰۳، مسلم: ۱۲۶۸)

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں رسول کریم ﷺ کا نماز سے فارغ ہونا تکبیر (کے آواز) سے پہچان لیا کرتا تھا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ نماز کے بعد بلند آواز سے تکبیر کہا کرتے تھے۔ یا بلند آواز سے ذکر کیا کرتے تھے۔ جس کے آواز سننے سے معلوم ہو جاتا تھا کہ اب آپ نماز سے فارغ ہوئے۔ یہاں سے ذکر جہر کی اجازت نکلتی ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حدیث ۳۹

عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ صَلَّى الْفَجْرَ فِيْ جَمَاعَةٍ ثُمَّ قَعَدَ يَذْكُرُ اللّٰهَ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ ثُمَّ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ كَانَتْ لَهُ كَأَجْرِ حَجَّةٍ وَّعُمْرَةٍ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ تَامَّةٍ تَامَّةٍ تَامَّةٍ.

(رواہ الترمذی: ۵۳۸)

حضور ﷺ نے فرمایا جو شخص فجر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھ کر اللہ کا ذکر کرتا ہوا بیٹھا رہے یہاں تک کہ سورج نکل آئے پھر دو رکعت نماز پڑھے اسے حج اور عمرہ کا ثواب ملتا ہے۔ حضور ﷺ نے تین بار فرمایا کہ پورے حج و عمرہ کا۔

اس کو ترمذی نے روایت کیا۔ معلوم ہوا کہ نماز فجر کے بعد طلوع شمس تک ذکر میں مشغول رہنا بہت اجر رکھتا ہے۔ یہی حضرات صوفیہ کثرھم اللہ کا معمول ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حدیث۴۰

عَنْ مُعَاوِيَةَ قَالَ، انِّي سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ مَنْ يُرِدِ اللّٰهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ وَإِنَّمَا أَنَا قَاسِمٌ وَاللّٰهُ يُعْطِي.

(البخاری: ۷۱، مسلم: ۲۳۴۵)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص کے حق میں اللہ تعالیٰ بہتری کا ارادہ رکھتا ہے اسے دین کی سمجھ دے دیتا ہے۔ یعنی اسے عالم فقیہ بنا دیتا ہے۔ سوائے اس کے نہیں میں تقسیم کرنیوالا ہوں اور خدا تعالیٰ دیتا ہے۔ یعنی ہر وہ چیز کہ خدا دیتا ہے اس کو میں تقسیم کرنے والا ہوں۔ معلوم ہوا کہ جس کو جو کچھ ملتا ہے حضور ﷺ ہی کے ہاتھوں ملتا ہے۔ اور وہ ہر ایک کو حسب مراتب عطا فرماتے ہیں۔ انھیں علم ہے کہ فلاں اس قابل ہے اور فلاں اس قابل۔ واللہ أعلم.

هذا اخر ما أوردنا فی هذا الباب فالحمد لله الذی بنعمته تتم الصالحات.

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

فقیہ اعظم مولانا محمد شریف نقشبندی

فقیہ اعظم مولانا ابو یوسف محمد شریف نقشبندی مجددی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ خاندان حافظ عبد الرحمن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے گل سر سبد تھے۔ درس نظامی اور فن مناظرہ کی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی۔ والد ماجد کی وفات کے بعد مزید تعلیم کے لئے گھر سے روانہ ہوئے۔ اپنے اس تعلیمی سفر میں ہندوستان کے جید علماء کرام اور فضلاء عظام سے علوم ظاہری کی تعلیم حاصل کی اور اسناد فضیلت حاصل کیں۔ علوم باطنی کے لئے بھی آپ نے مختلف اکابر اولیاء کرام اور صوفیائے عظام کے ہاں حاضری دی جن میں حضرت خواجہ فقیر محمد نقشبندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ چورہ شریف بھی شامل تھے۔ تاہم آپ نے بیعت سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ میں حضرت خواجہ حافظ محمد عبد الکریم نقشبندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ عیدگاہ شریف (راولپنڈی) کے ہاتھ پر کی اور جلد ہی اجازت بیعت اور خلافت سے نوازے گئے۔ حضرت فقیہ اعظم کو پیر سید جماعت علی شاہ علی پوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی اجازت بیعت اور خلافت حاصل تھی۔

حضرت فقیہ اعظم نے کوٹلی لوہاراں (غربی) کو مرکز بنا کر اپنی علمی وعملی زندگی کا آغاز کیا اور مختلف پہلوؤں سے اسلام، فقہ حنفی اور مذہب اہل سنت وجماعت کی بھر پور خدمت کی۔ اگرچہ آپ نے وعظ اور خطابت کے ذریعے ہندوستان کے کونے کونے میں اپنے مخصوص، دلکش اور عام فہم انداز میں مذہب اہل سنت وجماعت کی پر جوش تبلیغ کی اور باقاعدہ دینی مدرسہ نہ ہونے کے باوجود درس وتدریس کا سلسلہ بھی جاری رکھا، لیکن آپ کا اصل میدان عمل شعبہ تصنیف وتالیف اور افتاء تھا۔

حضرت فقیہ اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تصانیف ساٹھ کے قریب ہیں، لیکن

ان میں بہت کم آج دستیاب ہیں۔ ان تصانیف کے خاص موضوعات سیرت نبوی، تفسیر، احادیث نبوی، عقائد، اخلاق اور فقہ ہیں۔ آپ کی مشہور تصانیف مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ الاربعین فی فضائل النبی الامین ﷺ ۲۔ اربعین حنفیہ
۳۔ اخلاق الصالحین ۴۔ اباحۃ السلف البناء علی قبور المشائخ والعلماء
۵۔ تائید الامام باحادیث خیر الانام ﷺ ۶۔ تحقیق البدعت
۷۔ تصور شیخ ۸۔ درمختار پر اعتراضات کے جوابات
۹۔ شمس الحق ۱۰۔ شیعہ مذہب کی ابتداء
۱۱۔ صداقت الاحناف ۱۲۔ ضرورت فقہ ۱۳۔ علم النبی ﷺ
۱۴۔ کتاب التراویح ۱۵۔ کشف الغطاء عن مسئلۃ النداء
۱۶۔ نفی فئی ۱۷۔ نماز مدلل
۱۸۔ ہدایہ پر اعتراضات کے جوابات

ان تصانیف کے علاوہ حضرت فقیہ اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے لاتعداد مضامین اور فتاویٰ ہیں جو اپنے وقت کے مشہور و معروف رسائل و جرائد میں شائع ہوتے تھے، جن میں ہفت روزہ ''الفقیہ'' (امرتسر) اور ماہنامہ ''انوار الصوفیہ'' (لاہور، سیالکوٹ) قابل ذکر ہیں۔ آپ عربی، فارسی، اردو اور پنجابی کے قادر الکلام شاعر بھی تھے۔ آپ کی بعض کتب منظوم ہیں۔

حضرت فقیہ اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی علمی و تحقیقی خدمات کے معترف نہ صرف علماء احناف تھے، بلکہ فرق مخالف کے علماء بھی آپ کی علمی حیثیت اور خدمات کے قدرداں تھے، اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جب حضرت فقیہ اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی بعض کتب، خاص طور پر ''نماز مدلل'' کا مطالعہ کیا تو وہ حضرت فقیہ اعظم کے تبحر علمی اور محققانہ انداز اور طرز استدلال سے بہت متاثر ہوئے

اور کتاب پر تقریظ بھی لکھی۔ جس میں آپ نے صاحب کتاب کو ''فقیہ اعظم'' کا لقب عطا کیا۔ اعلیٰ حضرت بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا دیا ہوا یہ لقب ایسا مقبول ہوا کہ یہ مولانا ابو یوسف محمد شریف کے نام کا جزو لاینفک اور دائمی و عالمی پہچان بن گیا۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اکتوبر ۱۹۱۹ء میں حضرت فقیہ اعظم کو ''صحاح ستہ''، ''مشکوٰۃ المصابیح'' اور احادیث کی دیگر تمام متداولہ کتب کی اجازت اور سند عطا کی۔ ساتھ ہی سلسلہ قادریہ برکاتیہ میں خلافت اور اجازت بیعت سے مشرف کیا۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی ''السند والاجازۃ'' میں حضرت فقیہ اعظم کے علمی مرتبے کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ فاضل مولوی صاحب نے مجھ سے اجازت طلب کی ہے حالانکہ وہ اس کے محتاج نہیں، تاہم آپ نے اجازت و سند حدیث دیتے ہوئے حضرت فقیہ اعظم کو نصیحت کی کہ آپ مذہب اہل سنت پر سختی سے کاربند رہیں اور اہل بدعت اور فتنہ سے دوری اختیار کریں۔ تمام عمر سنت کی حمایت، اہل سنت کی اعانت، فتنوں کی سرکوبی اور اہل فتن کی اہانت میں کمربستہ رہیں جو مسلمانوں کے لئے ابلیس لعین سے بھی زیادہ خطرناک ہیں۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے ''السند والاجازۃ'' ملنے پر حضرت فقیہ اعظم نہایت خوش تھے۔ آپ نے اس سند کی نقل اور اس کے بارے میں اطلاع ہفت روزہ ''الفقیہ'' (امرتسر) کے ۲۰ دسمبر ۱۹۱۹ء کے شمارے میں ''مژدہ'' کے عنوان سے شائع کرائی۔

اسی طرح اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی ''ضروری اعلان'' کے تحت ایک اشتہار شائع کرایا جس میں اپنے خلفاء کا ذکر کیا۔ اس اشتہار کے پینتالیسویں نمبر پر حضرت فقیہ اعظم کا ذکر کرتے ہوئے اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ان کا تعارف ان الفاظ میں کرایا ہے:

''جناب مولانا مولوی محمد شریف صاحب کوٹلی لوہاراں مغربی ضلع سیالکوٹ،

عالم، واعظ، مجاز طریقت"۔

حضرت فقیہ اعظم اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے علمی و فقہی مقام سے بخوبی آگاہ تھے، اور اکثر اپنے احباب کی محفل میں کہا کرتے تھے کہ:

"اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اگر پہلے دور میں ہوتے تو اپنے علمی اور فقہی پایہ کے پیش نظر یقیناً مجتہد تسلیم کئے جاتے۔"

حضرت فقیہ اعظم نہ صرف زبانی طور پر اعلیٰ حضرت کے تبحر علمی اور مجتہدانہ سوچ کے معترف تھے بلکہ آپ اپنی تصانیف، فتاویٰ اور مضامین میں مختلف مسائل پر اپنی تحقیق پیش کرنے کے بعد زیر بحث مسئلہ کی مزید وضاحت وتشریح کے لئے اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے فتاویٰ اور کتب کا مطالعہ کرنے کی ترغیب دیتے تھے۔ اس سلسلے میں آپ نے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی جن کتب و رسائل کا ذکر کیا ہے۔ وہ یہ ہیں:

☆ منیر العین فی حکم تقبیل الابهامین

☆ کفل الفقیه الفاهم فی احکام قرطاس الدراهم

☆ النهی الأکید عن الصلاة وراء عدی التقلید

☆ ازالة العار الحجر الکرائم عن کلاب النار

☆ حاجز البحرین الواقی عن جمع الصلاتین۔

"فتاویٰ رضویہ میں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کا ایک فتویٰ درج ہے جو آپ نے حضرت فقیہ اعظم کے ایک استفتاء کے جواب میں دیا تھا۔ ۱۲ راگست ۱۹۲۱ء کو حضرت فقیہ اعظم نے کوٹلی لوہاں سے استفتاء ارسال کیا کہ ایک شخص پچیس سال گم رہا۔ اس عرصہ کے بعد اس کی بیوی نے نان ونفقہ سے تنگ آکر ایک حنفی عالم سے فتویٰ لے کر ایک حنفی شخص سے نکاح کر لیا۔ اس نکاح کو اب بیس سال اور اس شخص کو گم ہوئے پینتالیس سال ہو گئے ہیں۔ ایک حنفی عالم نے اب یہ فتویٰ دیا ہے کہ یہ نکاح ناجائز

ہے جبکہ ایک اور حنفی عالم یہ نکاح جائز قرار دیتے ہیں۔ صورتحال بیان کرنے کے بعد، حضرت فقیہ اعظم سوال کرتے ہیں کہ یہ نکاح جائز ہے یا نہیں؟ اس کے جواب میں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی مفصل جواب دیتے ہوئے فتویٰ دیتے ہیں کہ مذکورہ نکاح درست نہیں۔

اسی طرح جب ۱۹۰۷ء میں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے علمائے حرمین شریفین کے تصدیقی فتاویٰ کے ہمراہ علمائے دیوبند کے عقائد کے بارے میں "حسام الحرمین علی منحر الکفر و المین" کے نام سے ایک کتاب شائع کی تو اس پر ہندوستان کے تقریباً اڑھائی سو علماء کرام نے بھی تائیدی دستخط کئے۔ حضرت فقیہ اعظم نے "حسام الحرمین" کے جملہ مندرجات کی تصدیق کرتے ہوئے لکھا کہ "الجواب و باللہ التوفیق۔ فتاویٰ "حسام الحرمین" میں نے خود دیکھا، مفتیان عظام نے جو کچھ لکھا ہے بالکل صحیح و درست۔ اہل اسلام کو ان فتاویٰ کو ماننا اور ان کے مطابق عمل کرنا نہایت ضروری ہے"۔

حضرت فقیہ اعظم کو اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے بے پناہ محبت وعقیدت تھی، یہی وجہ ہے کہ آپ نے اعلیٰ حضرت کی شخصیت اور عقائد و افکار کے خلاف اٹھنے والی ہر آواز کو اپنے زبان وقلم سے خاموش کرایا۔ چنانچہ ۱۹ راگست ۱۹۴۲ء کو ہفت روزہ "اہل حدیث" (امرتسر) میں مولانا عبدالرحمٰن صاحب خلیل، نظام آباد کا ایک مضمون بعنوان "اصلاح عقائد" شائع ہوا، جس میں انہوں نے علمائے بریلی، خصوصاً اعلیٰ حضرت پر الزام لگایا کہ وہ رسول کریم ﷺ کی عدم بشریت کے قائل ہیں۔ اس مضمون کا فوری طور پر جواب، حضرت فقیہ اعظم نے "الفقیہ" میں بعنوان "اہل حدیث کا ایک افتراء" شائع کرایا جس میں آپ نے اس الزام کی سختی سے تردید کی کہ اعلیٰ حضرت یا کوئی اور بریلوی عالم حضور ﷺ کی عدم بشریت کے قائل ہیں۔ حضرت فقیہ اعظم اپنے مضمون میں اس بات کی تصریح کرتے ہیں کہ علمائے اہلسنت وجماعت

محفل میلاد مناتے ہی اس لئے ہیں تاکہ حضورﷺ کی بشریت کا برملا اظہار ہو، تاہم ان کے نزدیک حضور اکرمﷺ صرف بشر نہ تھے، بلکہ بے مثل، سید البشر اور افضل البشر ہیں۔

حضرت فقیہ اعظم کا علمی اور روحانی تعلق نہ صرف اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے ہی تھا بلکہ ان کی وفات کے بعد ان کے صاحبزادوں اور تلامذہ سے بھی یہ تعلق قائم رہا، جن کے نزدیک حضرت فقیہ اعظم کی شخصیت ایک شفیق اور قابل احترام بزرگ کی سی تھی۔ چنانچہ جب کبھی بھی فرق مخالف سے کوئی مناظرہ ہوا یا کوئی اور دینی مسئلہ درپیش ہوا تو صاحبزدگان اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی حضرت فقیہ اعظم کو ضرور شامل معاملہ کرتے۔

۳۱ر جنوری ۱۹۳۴ء کو انجمن حزب الاحناف ہند، لاہور (۱۹۲۴) کی طرف سے مسجد وزیر خان، لاہور میں مولانا اشرف علی تھانوی (۱۸۶۳ء۔۱۹۴۳ء) سے علمائے اہل سنت کا جو تاریخی اور فیصلہ کن مناظرہ ہونا طے پایا، اس میں شاہ محمد حامد رضا خان قادری بریلوی (۱۸۷۵ء۔۱۹۴۳ء) مولانا شاہ محمد نعیم الدین مرادآبادی (۱۸۸۳ء۔ ۱۹۴۸ء) مولانا سید الشاہ علی حسین کچھوچھوی (م ۱۹۳۶ء) اور حضرت فقیہ اعظم علمائے اہل سنت کے نمائندے تھے۔ اگرچہ یہ مناظرہ مولانا اشرف علی تھانوی یا ان کے کسی وکیل کے نہ آنے کے باعث منعقد نہ ہوسکا، تاہم انجمن حزب الاحناف، لاہور، کی طرف سے علمائے اہل سنت کے اعزاز میں ایک عظیم الشان جلسہ منعقد ہوا۔ اسی طرح جب اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے صاحبزادوں اور دیگر خلفاء اور تلامذہ نے جماعت رضائے مصطفیٰ (دسمبر ۱۹۲۰ء) اور آل انڈیا سنی کانفرنس (مارچ ۱۹۲۵ء) کے پلیٹ فارمز سے مذہب اہل سنت و جماعت کی تبلیغ و اشاعت اور تحریک پاکستان میں عملی طور پر حصہ لینے کا فیصلہ کیا تو حضرت فقیہ اعظم اپنی پیرانہ سالی کے باوجود ان علمائے کرام کے شانہ بشانہ جدوجہد کرتے رہے۔ آپ نے تاریخی بنارس

سنی کانفرنس (اپریل ۱۹۴۶ء) میں بھی بھرپور شرکت کی اور مطالبہ پاکستان اور حصول پاکستان کے لئے علمائے اہل سنت کی کوششوں کی حمایت کا اعلان کیا۔

حضرت فقیہ اعظم کا وصال ۱۵ر جنوری ۱۹۵۱ء کو راولپنڈی میں ہوا۔ ۱۶ جنوری کو بعد نماز عصر، آپ کو کوٹلی لوہاراں (غربی) کی مسجد دارے والی (آج کل اس کا نام مسجد شریفی ہے) کے احاطہ میں سپرد خاک کیا گیا۔

بشکریہ: ماہنامہ "جہان رضا" لاہور، نومبر ۱۹۹۹ء

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

امام عبداللہ بن اسعد یافعی رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ، مولانا بدر القادری

روض الریاحین فی حکایات الصالحین

بزمِ اولیاء

رضا پبلی کیشنز ○ لاہور

کیفیۃ الوصول لرؤیا سیدنا الرسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

زیارت سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

فضیلۃ الشیخ حسن محمد شداد بن عمر باعمر الحضرمی

مترجم: پروفیسر ضیاء المصطفیٰ قصوری

رضا پبلی کیشنز ○ لاہور

